

اردو ناول اور سافٹ سائنس فکشن: "پوکے مان کی دنیا" اور "صفر سے ایک تک" کا تقابلی مطالعہ

(Urdu novel and soft science fiction: Comparative study of
“Poke maan ki dunya” and “Sifar se aik tak”)

مقالہ برائے ایم۔ فل (اردو)

(Thesis of Research for M-Phil)

مقالہ نگار:

محمد طفیل اشفاق



نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

جنوری، ۲۰۲۵

اردو ناول اور سافٹ سائنس فکشن: "پو کے مان کی دنیا" اور "صفر سے ایک تک" کا تقابلی مطالعہ

مقالہ نگار:

محمد طفیل اشفاق

یہ مقالہ

ایم۔ فل (اردو)

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا

فیکلٹی آف لینگویجز

(اردو زبان و ادب)



نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

جنوری، ۲۰۲۵

مقالے کا دفاع اور منظوری کا فارم

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے۔ وہ مجموعی طور پر مقالہ نگار کی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف لینگویجز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: اردو ناول اور سافٹ سائنس فکشن: "پوکے مان کی دنیا" اور "صفر سے ایک تک" کا تقابلی مطالعہ

رجسٹریشن نمبر MP/URD/S22-29975

پیش کار: محمد طفیل اشفاق

ماسٹر آف فلاسفی

شعبہ: شعبہ اردو زبان و ادب

ڈاکٹر نعیم مظہر

نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر جمیل اصغر جامی

ڈین فیکلٹی آف لینگویجز

تاریخ:

اقرارنامہ

میں محمد طفیل اشفاق حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ مقالہ ہذا بعنوان ”اردو ناول اور سافٹ سائنس فکشن: ”پوکے مان کی دنیا“ اور ”صفر سے ایک تک“ کا تقابلی مطالعہ “ میرا ذاتی کام ہے۔ نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد کے ایم فل سکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر نعیم مظہر کی زیر نگرانی کیا گیا ہے۔ میں نے یہ کام اس سے پہلے کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں حصول سند کے لیے پیش نہیں کیا ہے اور نہ ہی آئندہ کروں گا۔

محمد طفیل اشفاق

مقالہ نگار

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

فہرست ابواب

صفحہ نمبر	عنوان
III	مقالہ کے دفاع اور منظوری کا فارم
IV	اقرارنامہ
V	فہرست ابواب
VIII	Abstract
X	اظہار تشکر

باب اول: موضوع کا تعارف اور بنیادی مباحث (الف) تمہید

۱	۱۔ موضوع کا تعارف
۲	۲۔ بیان مسئلہ
۳	۳۔ مقاصد تحقیق
۳	۴۔ تحقیقی سوالات
۴	۵۔ نظری دائرہ کار
۶	۶۔ تحقیقی طریقہ کار
۷	۷۔ مجوزہ موضوع پر ماقبل تحقیق
۷	۸۔ تحدید
۸	۹۔ پس منظری مطالعہ
۱۱	۱۰۔ تحقیق کی اہمیت

بنیادی مباحث

۱۱

(ب): سائنس فکشن صورتیں اور عناصر

۱۱	۱: تعارف و اقسام
۲۴	۲: فلشن اور سائنس و ٹیکنالوجی کا ربط
۲۷	(ج): اردو ناول میں سائنس فلشن کی روایت کا جائزہ
۳۱	حوالہ جات

باب دوم: ناول "پو کے مان کی دنیا" اور "صفر سے ایک تک" میں سافٹ سائنس فلشن کے تحت مخصوص حالات میں معاشرتی، نفسیاتی، سیاسی اور ثقافتی مسائل کا مطالعہ

۳۷	(الف): معاشرتی و ثقافتی مسائل کی عکاسی
۴۹	(ب): نفسیاتی و سیاسی اور اخلاقی مسائل کی عکاسی
۶۵	(ج): اشتراکات و افتراقات
۷۸	حوالہ جات

باب سوم: ناول "پو کے مان کی دنیا" اور "صفر سے ایک تک" میں سافٹ سائنس فلشن کے تحت ٹیکنالوجی کے متعلق قیاس اور انسانی رویوں پر اثرات کا مطالعہ

۹۱	(الف): نفسیات اور سیاست، ترسیل معلومات، سرمایہ داری اور صارفیت پر اثرات
۱۱۱	(ب): روایات اور ثقافت، اقدار و اخلاقیات اور انفرادی و اجتماعی برابری پر اثرات
۱۲۳	(ج): اشتراکات و افتراقات
۱۲۹	حوالہ جات

باب چہارم: ما حاصل

(الف): مجموعی جائزہ

(ب): تحقیقی نتائج

(ج): سفارشات

حوالہ جات

۱۳۴

۱۳۹

۱۴۰

۱۴۱

ABSTRACT

**Title: Urdu novel and soft science fiction: Comparative study of
“Poke maan ki dunya” and “Sifar se aik tak”**

A comparative study involves the comparison or evaluation of two or more objects, fields, or arts to identify their similarities and differences and draw conclusions. This process acts as a mental stimulus for us. In our daily lives, whether consciously or unconsciously, we are constantly comparing and contrasting two things. During this process, various branches of knowledge can assist us.

Science and fiction are two distinct fields. Science is an observational and concrete experimental discipline. Theories and laws in science can be tested through experiments, and these experiments can be repeated multiple times. Fiction, on the other hand, is a branch of the arts that involves storytelling or narrative based on specific literary rules and imaginative or conceptual elements.

The genre that bridges the deep gap between science and literature is science fiction. This genre speculates on the development and impact of science and technology. Its subgenre, soft science fiction, focuses on social sciences while maintaining an element of speculation. It illustrates the benefits and implications of future technology and the environments it creates.

Today's era is defined by technology, particularly digital technology. Technology and society are inseparable, especially in contemporary times when life without technology is unimaginable. Digital technology has interconnected individuals and societies across the globe. This interconnectedness has introduced new challenges for both individuals and society.

Mirza Athar Baig's scientific insight stems from his graduation in science, while his higher education is in philosophy. This intersection of science and philosophy has enabled him to observe society and its issues through a scientific lens. In his novel *Sifr Se Ek Tak* (From Zero to One), Baig addresses themes like feudalism,

computers, technology, globalization, and their impact on civilization, culture, ethics, and psychology. The advent of modern technology in a semi-feudal and semi-developed society has given rise to numerous issues.

On the other hand, Musharraf Alam Zauqi inherited his passion for literature. His father was a poet, and frequent exposure to his father's poetry fostered an emotional attachment to the craft. This connection was so profound that his father nicknamed him "Zauqi." In his novel *Pokémon Ki Duniya* (The World of Pokémon), Zauqi explores neo-colonialism, consumerism, media, globalization, the internet, technology, and the influence of Western civilization. He portrays chaotic future scenarios under the dominance of media and digital technology.

A comparison of the two novels reveals that Mirza Athar Baig has speculated on technology while highlighting both its positive and negative impacts. In contrast, Musharraf Alam Zauqi has focused solely on the negative effects of technology. Compared to Zauqi, Mirza Athar Baig has made a commendable effort to present both sides of the picture.

اظہار تشکر

میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ اور اسکے حبیب حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا شکر گزار اور احسان مند ہوں جس کی بے حد مہربانیوں کی وجہ سے میں یہ تحقیقی مقالہ لکھنے اور اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہوا۔ میں شکر گزار ہوں اپنے شفیق استاد ڈاکٹر نعیم مظہر صاحب کا جنہوں نے بطور نگران موضوع کے چناؤ سے تکمیل تک ہر مرحلے میں میری مدد کی اور اپنی نگرانی میں یہ مقالہ تیار کروایا۔ اس تمام عرصے میں مجھے اپنے قابل احترام استاد اور نگران کی مدد اور اصلاح نے اس قابل بنایا کہ اس تحقیقی کام کو وقت پر مکمل کر سکوں۔ اسکے بعد اپنے محترم اساتذہ کرام جناب ڈاکٹر عابد سیال صاحب، جناب ڈاکٹر عثمان غنی صاحب، جناب ڈاکٹر محمود الحسن صاحب، جناب ڈاکٹر مجاہد عباس صاحب، محترمہ ڈاکٹر نازیہ یونس صاحبہ اور محترمہ ڈاکٹر صنوبر الطاف صاحبہ کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے میرے علم میں اضافہ کر کے مجھے اس قابل بنایا ہے کہ یہ تحقیقی عمل سرانجام دے سکوں۔

اس کے بعد میں اپنے والدہ کا شکر گزار ہوں جن کی دعاؤں کے صدقے مجھے یہ کامیابی ملی۔ میں اپنے بہن، بھائیوں اور رفیق حیات کا شکر یہ ادا کرنا چاہوں گا۔ جنہوں نے ہمیشہ میری ہمت بڑھائی اور اپنے وسائل سے بڑھ کر میرے لیے سہولتیں فراہم کی۔ خداوند قدس کے حضور دست بہ دعا ہوں کہ ان کا سایہ ہمیشہ مجھ پر قائم رہے۔ میرے والد محترم کو اللہ کریم جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے جن کے تعلیمی عمل کے ساتھ لگاؤ نے مجھے اس قابل بنایا اور میرے اس تحقیقی عمل کے دوران مالک حقیقی سے جا ملے۔

یہ مقالہ ایک کاوش ہے اور اس طرح کی کاوشوں میں کوئی بات حتمی نہیں ہوتی۔ میں نے ایک حد تک اس کو بہتر صورت میں پیش کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ممکن ہے کہ اس میں بہت سی کوتاہیاں بھی ہوئی ہوں۔ جس کے لیے مجھے اپنی کم علمی اور کم مائیگی کا اعتراف ہے۔

میں اپنے دوست اور بڑے بھائی محمد سہیل اشفاق خان کا احسان مند ہوں۔ جس نے ہر مشکل وقت میں میری راہنمائی کرتے ہوئے میرا ساتھ دیا۔ میں اپنے ہم جماعت اشتیاق حسین خان کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جس نے اس تحقیقی کام کے حوالے سے ہر ممکن مدد کی۔

آخر میں میں دعا گو ہوں کہ رب العزت ان کو کامیابی و کامرانی عطا فرمائے۔ آمین

محمد طفیل اشفاق

اسکا لرایم۔ فل (اردو)

باب اول

موضوع کا تعارف اور بنیادی مباحث

(الف) تمہید

۱۔ موضوع کا تعارف (INTRODUCTION)

مجوزہ موضوع مقالہ کے تحت منتخب شدہ اردو ناولوں میں سافٹ سائنس فکشن (Soft Science Fiction) کے عناصر کی روشنی میں معاشرے پر سائنسی اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے اثرات کا مطالعہ اور دونوں تصانیف کا تقابلی مطالعہ کرنا مقصود ہے۔ اردو ناول میں سافٹ سائنس فکشن (Soft Science Fiction) کے عناصر جن کے تحت دونوں تصانیف کا تقابلی مطالعہ کرنا مقصود ہے میں خاص طور پر معاشرے پر ٹیکنالوجی اور سائنسی ترقی کے اثرات شامل ہیں۔ سائنس فکشن ادب کی ایک ذیلی ادبی صنف ہے۔ جس میں ایک کہانی کے ذریعے افراد اور سماج پر قیاسی یا حقیقی سائنسی اثرات کو بیان کیا جاتا ہے۔ سائنس اور ادب کے درمیان رشتہ قائم کرنے والی صنف سائنس فکشن (Science Fiction) ہے۔ سائنس فکشن نے نہ صرف سائنسی نظریات اور اصول کو سامنے رکھتے ہوئے سائنسی ایجادات کے متعلق قیاس آرائی کی ہے۔ اور نئے تخیلات پیش کیے ہیں۔ ساتھ ہی ٹیکنالوجی کے معاشرے اور فرد پر اثرات کو بھی بیان کیا ہے۔ مستقبل میں ایجاد ہونے والی ٹیکنالوجی کے معاشرے پر اثرات سے متعلق قیاس کرنا بھی سائنس فکشن (Science Fiction) ہی کا طرہ امتیاز ہے۔ سائنس فکشن کی ذیلی صنف سافٹ سائنس فکشن (Soft Science Fiction) ہارڈ سائنس فکشن (Hard Science Fiction) کی طرح سائنس کے ٹھوس تجربات اور نظریات بیان کرنے کی بجائے انسانی احساسات و نفسیات فرد اور معاشرہ کو سائنس پر ترجیح دیتی ہے۔ سافٹ سائنس فکشن (Soft Science Fiction) کیمسٹری اور فزکس جیسی سائنسز پر اپنی بنیاد قائم کرنے کی بجائے قیاسی اور حقیقی ٹیکنالوجی کے مستقبل قریب میں معاشرے اور فرد پر اثرات کو اپنی کہانی میں شامل کرتی ہے۔ سائنس فکشن کی ذیلی ادبی صنف سافٹ سائنس فکشن (Soft Science

(Fiction) خصوصاً افراد اور سماں پر سائنسی حقیقی یا قیاسی اثرات کو بیان کرتی ہے۔ اس بیان کے دوران انسانی جذبات و احساسات اور رویوں کو اہمیت دیتی ہے۔ ادب کی صنف سائنس فکشن کی بنیاد "کیا ہوگا اگر....؟" پر قائم ہے

سائنس فکشن (Science Fiction) ٹیکنالوجی کے اثرات کا دونوں سمت سے جائزہ لیتی ہے۔ فوائد کے ساتھ ساتھ نقصانات بھی اس میں موجود رہتے ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی مدد سے کیا فاصلہ اور وقت کم ہو سکتے ہیں؟ ٹیکنالوجی کی مدد سے وقت کو کیا قید کیا جاسکتا ہے؟ جدید ٹیکنالوجی کی وجہ سے کیا ہماری ثقافت اور روایات خطرے میں ہیں؟ کیا جدید ٹیکنالوجی کی وجہ سے ہماری اقدار خطرے میں ہیں؟ کیا ٹیکنالوجی کی مدد سے افراد کو گمراہ کیا جاسکتا ہے؟ کیا ٹیکنالوجی کی مدد سے سرمایہ دارانہ نظام تقویت حاصل کر سکتا ہے؟ ٹیکنالوجی کیا مختلف معاشروں کی تہذیب و ثقافت اور اقدار کو باہم ملا سکتی ہے؟ کیا ٹیکنالوجی معاشرے میں تقسیم کا باعث بن سکتی ہے؟ یہ ایسے سوال ہیں جن کے جواب سافٹ سائنس فکشن اپنی کہانی میں دینے کی کوشش کرتی ہے۔

ادب معاشرے کا عکاس ہے۔ تخلیق کار یا مصنف افراد اور معاشرے کا بغور مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور عوامل جو ان پر اثر انداز ہوتے ہیں کے متعلق شعور و آگہی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کسی بھی معاشرہ کے رہنے والے افراد اپنی مخصوص تہذیب و ثقافت، معاشرتی اقدار اور روایات و اخلاقیات کے امین ہوتے ہیں۔ مختلف معاشروں میں تہذیب و ثقافت، اخلاقیات، اقدار اور روایات کے معیار میں واضح اختلاف ہوتا ہے۔ معاشرہ اور ٹیکنالوجی ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ ٹیکنالوجی سماجی ثقافت کو اتنا متاثر کرتی ہے جتنا سماجی ثقافت ٹیکنالوجی کو متاثر کرتی ہے۔

۲۔ بیان مسئلہ (THESIS STATEMENT)

ٹیکنالوجی اور معاشرتی تغیر کے درمیان گہری نسبت ہے۔ خصوصاً آج کے دور میں جب ٹیکنالوجی معاشرے کا اس حد تک حصہ بن چکی ہے کہ ٹیکنالوجی کے بغیر زندگی کا تصور ناممکن لگتا ہے۔ ٹیکنالوجی اور

معاشرے کا ایک دوسرے پر انحصار مشترکہ پیداوار اور اجارہ داری سے ظاہر ہوتا ہے۔ تاہم یہی ٹیکنالوجی فرد اور معاشرے پر مثبت اور منفی دونوں طرح سے اثرات ثبت کرتی ہے۔ موجودہ دور میں جب ٹیکنالوجی کے بغیر زندگی کا تصور ممکن نہیں ہے تو اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ان اثرات کو ظاہر کیا جائے۔ ادب کی ذیلی صنف سائنس فکشن (Science Fiction) ان اثرات کو خصوصیت سے بیان کرتی ہے۔ بد قسمتی سے اردو ادب میں سائنس فکشن نہ ہونے کے برابر ہے۔ سافٹ سائنس فکشن (Soft Science Fiction) اور اس کے تحت معاشرے پر ٹیکنالوجی کے اثرات کے متعلق شعور و آگہی پیدا کرنے کے متعلق جاننے کے لیے منتخب ناولوں کا تقابل کیا گیا ہے۔ اس تحقیق کے تحت سافٹ سائنس فکشن (Soft Science Fiction) کے تناظر میں منتخب اردو ناول میں فرد اور معاشرہ پر ٹیکنالوجی کے اثرات کا مطالعہ بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ تحقیقی مقاصد (RESEARCH OBJECTIVES)

۱. "پوکے مان کی دنیا" اور "صفر سے ایک تک" کا میتھیو آرنلڈ (Mathew Arnold) کے نظریہ تقابل کے تحت سافٹ سائنس فکشن (Soft Science Fiction) کے تناظر میں تقابلی مطالعہ کرنا۔
۲. "پوکے مان کی دنیا" اور "صفر سے ایک تک" کا سافٹ سائنس فکشن (Soft Science Fiction) کے عناصر کے تحت مطالعہ کرنا۔
۳. "پوکے مان کی دنیا" اور "صفر سے ایک تک" میں معاشرتی، نفسیاتی، سیاسی اور ثقافتی مسائل کی عکاسی کا جائزہ لینا۔
۴. "پوکے مان کی دنیا" اور "صفر سے ایک تک" میں معاشرے پر ٹیکنالوجی کے قیاسی اثرات کے متعلق شعور و آگہی پیدا کرنے کے کردار کا جائزہ لینا۔

۴۔ تحقیقی سوالات (RESEARCH QUESTION)

۱. "پوکے مان کی دنیا" اور "صفر سے ایک تک" میں سافٹ سائنس فکشن (Soft Science Fiction) کے کون کون سے عناصر کا احاطہ کیا گیا ہے؟

۲. ناول "پوکے مان کی دنیا" اور "صفر سے ایک تک" میں ٹیکنالوجی سے متعلق قیاس اور آگہی پیدا کرنے اور اس کے مثبت اور منفی اثرات کو اجاگر کرنے میں کیا کردار ادا کر رہے ہیں؟

۳. ناول "پوکے مان کی دنیا" اور "صفر سے ایک تک" کس طرح مخصوص حالات میں معاشرتی، نفسیاتی، سیاسی اور ثقافتی مسائل کو بیان کرتے ہیں؟

۴. ناول "پوکے مان کی دنیا" اور "صفر سے ایک تک" میں کون کون سے اشتراقات اور افتراقات موجود ہیں؟

۵۔ نظری دائرہ کار (THEORETICAL FRAMEWORK)

مجوزہ تحقیقی کام سافٹ سائنس فکشن کے عناصر کے تحت اردو ناول کا تقابلی و تجزیاتی مطالعہ کرنا مقصود ہے۔ اس تحقیقی کام میں آج کے موجودہ ترقی یافتہ دور میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے ترقیاتی قیاس اور فرد و معاشرہ پر اثرات کی اردو ناول میں کی گئی عکاسی کا مطالعہ کرنا اور ان کی وجوہات تلاش کرنا ہے۔ اس تحقیقی منصوبہ کے تحت مطالعہ کرنے کے لیے امریکی مصنف ایل ڈیوڈ ایلن (L. David Allen) کی تصنیف (Science fiction: An introduction ۱۹۷۳) میں بیان کردہ سافٹ سائنس فکشن کے عناصر کو مد نظر رکھا گیا ہے۔

ڈیوڈ ایلن کے مطابق کسی بھی سائنس فکشن ناول میں عام ادبی ناول کی طرح بنیادی عناصر جیسے راوی، کہانی، پلاٹ، ترتیب، کردار، زبان اور تھیم موجود ہوتے ہیں۔ ان کی اس تصنیف میں سائنس فکشن اور سافٹ سائنس فکشن کے امتیازی عناصر بیان کیے گئے ہیں۔ جو سائنس فکشن ناول کو عام ادبی ناول سے ممتاز کرتے ہیں۔ سائنس فکشن میں سائنس یا تو موجودہ سائنس نہیں ہوتی ہے۔ یا موجودہ حالات میں اس کا اطلاق نہیں

ہوتا ہے۔ بلکہ یہ قیاسی علم ہے۔ کسی طرح سے سائنس کی موجودہ حالت یا موجودہ صورتحال سے باہر ہوتی ہے۔

سائنس فکشن کی ذیلی صنف ہونے کی وجہ سے سافٹ سائنس فکشن میں یہ امتیازی عنصر موجود ہونے کے ساتھ سافٹ سائنس فکشن کا اپنا مخصوص امتیازی عنصر بھی موجود ہوتا ہے۔ جو اسے دوسری سائنس فکشن اصناف سے ممتاز کرتا ہے۔ سائنس فکشن کی اس دوسری قسم کو سافٹ سائنس فکشن اسی لیے کہا جاتا ہے۔ کہ اس میں وہ سائنس فکشن شامل ہے۔ جس میں تخلیق کی سب سے بڑی وجہ نام نہاد سافٹ سائنسز میں سے ایک ہے۔ یعنی، انسانی سرگرمیوں پر توجہ مرکوز کرنے والی سائنس۔ جن میں سے اکثر طبعی علوم یعنی قدرتی سائنس کی طرح سخت یا مکمل پیشین گوئی نہیں کر سکتی ہے۔ سافٹ سائنس فکشن میں ایسی کوئی بھی کہانیاں شامل ہوں گی جو عمرانیات، نفسیات، بشریات، سیاسیات، تاریخ نگاری، الہیات، لسانیات، اور افسانوں کے لیے کچھ نقطہ نظر کے علوم پر مبنی ہوں۔ اس عنوان کے تحت ان سے متعلق کسی بھی ٹیکنالوجی کے بارے میں کہانیاں شامل ہوں گی۔ سائنس فکشن کی اس قسم میں بھی، باقاعدہ، قابل دریافت قوانین کے ساتھ ایک منظم کائنات کا مفروضہ شمولیت کا بنیادی معیار ہے۔ جیسا کہ ہارڈ سائنس فکشن میں، سافٹ سائنس فکشن کے زمرے کے تحت ہمارے پاس قیاس آرائی اور تجسس کی کہانیاں بھی ہیں۔ یعنی اس صنف کے تحت فنکار اپنے فن پارے میں ٹیکنالوجی کے متعلق قیاس اور اسکے فرد و معاشرے پر اثرات کو بیان کرتا ہے۔

ڈیوڈ ایلن اپنی تصنیف کے مطابق اس ذیلی ادبی صنف (Soft Science Fiction) کے درج ذیل امتیازی عناصر بیان کرتے ہیں

● مخصوص حالات میں معاشرتی، نفسیاتی، سیاسی اور ثقافتی مسائل کا بیان

● سائنس و ٹیکنالوجی اور اس کے اثرات کے متعلق قیاس آرائی

منتخب اردو ناولوں میں سافٹ سائنس فکشن کے انہی عناصر کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ سائنس و ٹیکنالوجی کے فرد اور معاشرے پر اثرات کو خصوصیت سے معلوم کیا جاتا ہے۔ ناول پو کے مان کی دنیا میں گلوبلائزیشن صارفیت اور میڈیا ٹیکنالوجی کے متعلق قیاس اور ناول صفر سے ایک تک میں کمپیوٹر ٹیکنالوجی کے متعلق قیاس اور ان عناصر کے پیش نظر متن میں بیان کردہ معاشرتی سماجی نفسیاتی اخلاقی اور ثقافتی مسائل اور محرکات کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ اور تحقیق کے اس عمل کو تکمیل تک لے جایا گیا ہے۔ اس تحقیقی عمل میں منتخب فن پاروں کا میتھیو آرنلڈ

(Mathew Arnold) کی تھیوری کے تحت تقابل کر کے اشتراکات اور افتراقات معلوم کیے گئے ہیں۔ میتھیو آرنلڈ ۱۸۵۷ء میں آکسفورڈ میں اپنے افتتاحی لیکچر میں یہ نظریہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "ہر جگہ تعلق ہے، ہر جگہ مثال ہے کوئی ایک واقعہ، کوئی ایک ادب مناسب طور پر نہیں سمجھا جاسکتا سوائے تعلق کے دوسرے واقعات سے، دوسرے ادب سے۔"

اس نظریے کے مطالعے کے لئے سوزن بیسنٹ (Susan Bassnet) کی کتاب تقابلی ادب comparative literature جو کہ ۱۹۹۳ء میں پہلی بار شائع ہوئی کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ اس نظریے کے مطابق کسی علاقے کے ادب کو یا واقعات کو کسی دوسرے علاقے کے ادب یا واقعات سے جوڑ کر ہی سمجھا، جانچا یا پرکھا جاسکتا ہے۔ اس بات کو ایک عام اور سادی مثال سے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ کسے بھی شے کا معیار طے کرنے کے لیے اس کی جیسی کوئی شے موجود ہوگی تو معیار طے ہوگا۔ میتھیو آرنلڈ کے نظریے کے تحت ان دونوں تصانیف کو سمجھنے اور تعلق جوڑنے کے عمل کے لئے اشتراکات اور افتراقات معلوم کر کے نتائج اخذ کیے گئے ہیں۔

۶۔ تحقیقی طریقہ کار (RESEARCH METHODOLOGY)

لائبریری طریقہ تحقیق کے تحت اس موضوع پر تحقیقی عمل کو سرانجام دیا گیا ہے۔ اس طریقہ تحقیق کے تحت مواد کی جمع آوری اور تجزیہ کر کے نتائج اخذ کئے گئے ہیں۔ مجوزہ تحقیق کی تحدید میں شامل ناولوں کا مطالعہ موضوع اور نظری دائرہ کار کے تحت کیا گیا ہے۔ تحدید میں شامل مواد کا تجزیہ کر کے متن کا تحقیقی و جزئیاتی مطالعہ بھی کیا گیا ہے۔ جو نظری دائرہ کار میں بیان کردہ ایل ڈیوڈ ایلن (L. David Allen) کی تصنیف (Science fiction: An introduction ۱۹۷۳) میں بیان کردہ سافٹ سائنس فکشن کے عناصر کے تحت ہے۔ ان عناصر کو مد نظر رکھتے ہوئے تہدیدی مواد کے متن کا تجزیہ کر کے نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ اس طریقہ تحقیق سے مواد کے متن کے متعلق حاصل ہونیوالی آگہی کو بیان کیا گیا ہے۔ اس تحقیق کی تحدید میں شامل ناولوں کا تقابلی مطالعہ میتھیو آرنلڈ (Mathew Arnold) کی تھیوری کے تحت کیا گیا ہے۔ تقابلی طریقہ تحقیق کے تحت دونوں تصانیف کا تقابل کر کے نتائج اخذ کئے گئے ہیں۔ منتخب مصادر و مآخذ پر اس تحقیق کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ بنیادی مآخذ کے علاوہ ثانوی مآخذات میں تنقیدی و تحقیقی مواد شامل ہیں۔ رسائل، مختلف اخبار اور ایک مقالہ کو بھی مد نظر رکھا گیا ہے۔ ثانوی مآخذ میں خورشید اقبال کی تصنیف "اردو ادب میں

سائنس فکشن کی روایت "اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے کتب خانے کے مقالہ جاتی حصہ میں موجود مقالہ "اردو میں سائنس فکشن: ایک مطالعہ" اور انٹرنیٹ پر موجود ویب گاہوں سے مواد جمع کیا گیا ہے۔

۷۔ مجوزہ موضوع پر ماقبل تحقیق (WORKS ALREADY DONE)

مجوزہ موضوع کے تحت موجودہ صدی کے دو ناول شامل ہیں ان ناولوں میں سافٹ سائنس فکشن کے عناصر اور سائنس و ٹیکنالوجی کے فرد اور معاشرہ پر اثرات پر تحقیق کی گئی ہے۔ اور ان ناولوں کا تقابلی مطالعہ بھی کیا گیا ہے۔ اس سے قبل اس موضوع پر اس قسم کا رسمی اور غیر رسمی تحقیقی و تنقیدی کام نہیں کیا گیا ہے۔ تاہم اردو میں سائنس فکشن کی روایت پر کام ہو چکا ہے۔ جبکہ میرے تحقیقی کام کی انفرادیت منتخب فن پاروں کا سائنس فکشن کے عناصر کے تحت تقابلی مطالعہ ہے۔ خورشید اقبال کی تصنیف "اردو میں سائنس فکشن کی روایت" جو کہ ۲۰۱۵ کی شائع شدہ ہے کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ یہ تصنیف پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس تصنیف میں سائنس فکشن کی مختلف زبانوں میں ابتداء اور اس کی اہمیت و ارتقاء پر تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ پاکستان اور ہندوستان میں اردو میں سائنس فکشن کی روایت اور اجتماعی طور پر مختلف فن پاروں میں سائنس فکشن کے عناصر تلاش کرنے کی بہترین کاوش ہے۔ جس سے سائنس فکشن کے عناصر اور اہمیت سے آگہی حاصل ہوتی ہے اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے کتب خانے کے مقالہ جاتی حصہ میں موجود ایک مقالہ بعنوان "اردو میں سائنس فکشن ایک مطالعہ" بھی اردو میں سائنس فکشن کی ابتداء اور ادبی اصناف میں سائنس فکشن کے عناصر معلوم کرنے کی اچھی کاوش ہے کا بھی مطالعہ کیا گیا ہے۔ اردو میں سائنس فکشن کے حوالے سے مندرجہ بالا دونوں تحقیقی و تنقیدی کاوشیں اردو داستان سے لے کر موجودہ دور کی تصانیف، فلموں اور ڈراموں کا سائنس فکشن کے تحت مطالعہ پیش کرتی ہیں۔ لیکن ان میں سائنس فکشن کی اردو میں روایت کا اجتماعی طور پر جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ منتخب فن پاروں کا سائنس فکشن کے تناظر میں تقابل کے تحت بھی کوئی ایسا تحقیقی کام نہ ہوا ہے۔ جسے ماقبل تحقیق کی فہرست میں شامل کی جائے۔

۸۔ تحدید (DELIMITATION)

مجوزہ موضوع کے تحت تحقیق اردو ناول کے حوالے سے ہے جس میں منتخب فن پارے شامل ہیں۔ ان فن پاروں میں سائنس فکشن عناصر کے تحت فرد اور معاشرہ پر سائنس و ٹیکنالوجی کے اثرات کا مطالعہ اور منتخب فن

پاروں کا تقابلی مطالعہ مجوزہ موضوع کے دائرہ میں شامل ہیں۔ جو ناول تحقیق کے عمل کے لیے منتخب کیے گئے وہ بہت مشہور و معروف مصنفوں کی تحریریں ہیں۔ معروف ناول نگاروں میں مرزا اطہر بیگ جن کا تعلق پاکستان سے ہے۔ اور دوسرے ناول نگار مشرف عالم ذوقی جن کا تعلق ہندوستان سے ہے۔ ان دونوں ادیبوں کے منتخب فن پارے جو مجوزہ موضوع کے تحت دائرہ تحقیق میں شامل ہیں دونوں اکیسویں صدی کے ادبی شاہکار ہیں۔

۹۔ پس منظری مطالعہ (LITERATURE REVIEW)

انسانی ذہن اور خاص طور پر ادیب کا ذہن تخیلات کی دنیا میں رہتے ہوئے نئے نئے تصورات اور مفروضے قائم کرتا ہے۔ پھر اپنے ان خیالات اور تصورات کو کہانی کی شکل میں عوام کے سامنے پیش کرتا ہے۔ قاری کی توجہ حاصل کرنے کو چوکنا دینے والے کردار پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

پہلے پہل اس کوشش کے نتیجے میں کئی مافوق الفطرت کردار اور کہانیاں مثلاً عمر و عیار، طلسم ہو شر با، الف لیل، دیو اور جن، قصہ چہار درویش وغیرہ تخلیق کیں۔ ان کہانیوں اور کرداروں کی تخلیق بغیر کسی سوچ اور کلیہ کے وجود میں آئی۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا جب تخلیق کاروں نے اپنے افسانوں اور ناولوں میں سائنسی کلیات اور اصولوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ایسے کردار اور کہانیاں تخلیق کیں جن کو انہوں نے کسی حد تک سائنسی اصولوں سے ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اور قاری کو مطمئن کرتے ہوئے سائنسدان کو ایک ایسی سوچ اور نظریہ پیش کیا جو سائنسدان کی محنت سے حقیقت کا روپ دھار کر ظاہر ہوا۔

سائنس فکشن ادب کی ایک جدید صنف ہے جسے۔ باقاعدہ طور پر ادب کی ایک صنف کا درجہ انیسویں صدی میں حاصل ہوا ہے۔ لیکن اگر صدیوں پرانے ادب کو دیکھا جائے تو معلوم پڑتا ہے کہ مختلف چیزوں کی کھوج خصوصاً کائنات کے بارے میں اور انسان کے علاوہ اس کائنات میں دوسرے سیاروں اور ان پر موجود مخلوقات جنہیں مافوق الفطرت مخلوقات کہنا درست ہو گا کہ متعلق اپنے تخیلاتی تصور پیش کرتا رہا ہے۔

اسی سلسلے میں فریڈرک ایس سی اپنی تصنیف Lucian's true history of SF میں بیان کرتے ہیں۔ سائنس فکشن ادب کی ایک جدید صنف ہے۔ لیکن اسکے عناصر جس کی وجہ سے اس صنف کا دوسری اصناف سے افتراق قائم ہوتا ہے صدیوں پرانے ادب میں موجود ہیں۔ دوسری صدی عیسوی کے شامی مصنف Lucians of smosta کی یونان کی زبان میں تحریر کی گئی کہانی True history اس

سلسلے کی پہلی ابتدا معلوم ہوتی ہے۔ اس کتاب میں خلائی مخلوق (ایلیٹنز) خلائی اسفار اور مختلف دنیاؤں کی آپس میں جنگوں کا ذکر موجود ہے۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ باقاعدہ سائنس فکشن نہ سہی لیکن سائنس فکشن کی کچھ عناصر ہی سہی کئی صدیوں پہلے ہی سے ادب میں موجود ہیں۔ سائنس فکشن کے بنیادی اجزاء الف لیلیٰ کی کچھ کہانیوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ایک جاپانی لوک کہانی The tail of the bamboo cutter جس کا تعلق دسویں صدی عیسوی سے ہے میں بھی اس صنف کے اجزاء پائے جاتے ہیں۔ اس کہانی میں چاند ایک لڑکی کے آنے کا واقعہ موجود ہے۔ بڑی ہونے پر جو واپس چاند پر چلی جاتی ہے۔ اکثر ناقدین کی نظر میں Marry shelly مادر آف ماڈرن سائنس فکشن ہیں۔ انکے ناول Frankenstein (۱۸۱۸) انہیں سائنس فکشن ناول نگاروں کی فہرست میں پہلے نمبر کھڑا کرتا ہے۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ ہم آج جس صنف کو سائنس فکشن کے طور پر جانتے ہیں اس صنف کی انگریزی میں شروعات Hobert George wells نے کی تھی۔ ویلز کا پہلا سائنس فکشن The time machine تھا جو ۱۸۹۵ء میں شائع ہوا

Joles vern جو کہ ایک فرانسیسی ناول نگار ہیں نے بہت سے سائنس فکشن ناول تحریر کیے۔ ویسے بھی سائنس فکشن کی ادب میں روایت اور ابتدا میں فرانسیسی ادب کا گہرا اثر ہے۔ نہ صرف فرانس بلکہ دنیا بھر میں سائنس فکشن کی صنف کا موجد Jules vern ہے۔ جس نے بہت سارے سائنس فکشن ناول اور کہانیاں لکھیں اور اس بنا پر ساری دنیا اسے Father of science fiction مانتی ہے۔ ان کا پہلا سائنس فکشن ناول (Five weeks in a balloon) ۱۸۶۳ء ہے۔

بیسویں صدی کے پانچویں عشرے کو اس صنف کا سنہری دور مانا جاتا ہے۔ اس دور میں سائنس فکشن ناولوں کے ساتھ ساتھ سائنس فکشن رسالوں کا بھی اجرا کیا گیا۔ ان رسالوں میں استعمال ہونے والا کاغذ کم درجہ ہونے کی وجہ سے رسالوں کی قیمت بھی کم ہوتی تھی۔ جس کی وجہ سے یہ ہر ایک طبقے کے افراد کی خرید کی دسترس میں تھے۔ بیسویں صدی کی ابتدا میں سائنس فکشن کی مقبولیت کی وجہ سے نقادوں نے بھی اس صنف کو سنجیدہ لینا شروع کر دیا۔ اردو کے دو مصنفین محمد حسین جاوید اور احمد حسین قمر نے سات جلدوں پر محیط طلسم ہوش ربا کے عنوان سے ایک طویل داستان لکھی۔ جو دراصل عربی داستان داستان امیر حمزہ کی بنیاد پر لکھی گئی تھی۔ اس داستان میں بھی اس صنف کے کئی اجزاء موجود ہیں اور اسی وجہ سے اردو کا پہلا پروٹو سائنس فکشن (Proto

science fiction) کہا جاسکتا ہے۔ اس کہانی کا مرکزی کردار عمرو عیار کوئی مافوق الفطرت کردار نہیں بلکہ ایک عام انسان ہے۔ اس داستان کے بعد ندیم صہبائی کے جاسوسی ناول نقلی رئیس جو ۱۹۳۰ کے عشرے میں منظر عام پر آیا میں بھی سائنس فکشن کے عناصر موجود ہیں۔ یہ سلسلہ آگے بڑھتے ہوئے خان محبوب طرزی کے ناول جن میں سائنس فکشن کے عناصر موجود ہیں میں قیامت صغریٰ، سفر زہرا، شہزادی نور، فولادی پتلی، حادثہ، مصنوعی چاند اور عالم مکاں وغیرہ شامل ہیں۔ اردو کے فکشن نگار جن کے ہاں حقیقی سائنس فکشن کے عناصر پائے جاتے ہیں وہ خان محبوب طرزی ہیں۔ اردو ناول نگاروں میں اظہار اثر کا نام بطور سائنس فکشن نگار بہت نمایاں ہے۔ جن کا فن پارہ جسے پہلا سائنس فکشن ناول کہا جاسکتا ہے ۱۹۵۵ میں شائع ہوا۔ اظہار اثر کے ناولوں کی تعداد لگ بھگ سو ہے۔ جن میں اس صنف کے اجزایا عناصر موجود ہیں۔ ابن صفی ان اردو ناولوں کے دوسرے بڑے مصنف ہیں جن کے ناولوں میں بھی اس صنف کے نمایاں اثرات موجود ہیں۔ ان کی جاسوسی کی کہانیاں بہت مشہور ہوئیں۔ ان ناولوں میں مشہور عمران سیریز ہے۔ ابن صفی نے کل ۲۴۵ جاسوسی ناول لکھے ہیں جن میں سے ۱۲۵ فریدی حمید سیریز اور ۱۲۰ عمران سیریز کے ناول ہیں۔

انگریزی ادب میں نمائندہ سافٹ سائنس فکشن لکھنے والوں میں فرینکلن پیٹرک ہربرٹ Franklin Patrick Herbert Jr. جن کا ناول Dune، رے ڈاگلز برابری Ray Douglas Bradbury جن کا ناول Fahrenheit 451، ارسلا کروبر لیگون Ursula Kroeber Le Guin جن کا ناول The left hand of darkness، بین ایچ ونٹرز Ben H. Winters جن کا ناول The last policeman اور مائیک چن Mike Chen جن کا ناول Light years from home اس صنف میں نمایاں مقام رکھتے ہیں

مجوزہ موضوع پر کام کرنے کے لیے موجودہ صدی کے ادبی ناولوں کا مطالعہ کیا گیا ہے جو اس تحقیقی عمل کی تحدید میں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ خورشید اقبال کی تصنیف "اردو میں سائنس فکشن کی روایت، ۲۰۱۵" کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود مقالہ بعنوان "اردو میں سائنس فکشن ایک مطالعہ" کا بھی مطالعہ کیا گیا ہے۔ اردو میں سائنس فکشن کے حوالے سے مندرجہ بالا دونوں تحقیقی و تنقیدی کاوشیں اردو داستان سے لے کر موجودہ دور کی تصانیف، فلموں اور ڈراموں کا سائنس فکشن کے تحت مطالعہ پیش کرتی ہیں۔ ان میں سائنس فکشن کی اقسام کے متعلق بھی سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ اردو داستان

میں موجود مافوق الفطرت عناصر کے تخیل کو سائنس فکشن عناصر سے جوڑنے کی کوشش کر کے اردو میں سائنس فکشن کے ابتدائی عناصر کو بیان کیا گیا ہے۔

۱۰۔ تحقیق کی اہمیت (SIGNIFICANCE OF STUDY)

سافٹ سائنس فکشن اور سائنس و ٹیکنالوجی کے فرد اور معاشرہ پر اثرات کے حوالے سے ایک منفرد تحقیق ہے۔ اردو ناول کا سافٹ سائنس فکشن کے حوالے سے تقابل بھی اس تحقیق کی اہمیت کی ایک وجہ ہے۔ فرد اور معاشرے پر مختلف عوامل کے اثرات کے متعلق تو کافی تحقیق ہو چکی ہے۔ لیکن ادب کی اس ذیلی صنف اور سائنس و ٹیکنالوجی کے فرد اور معاشرہ پر اثرات کے حوالے سے مطالعہ اس تحقیق کا خاصہ ہے۔ موجودہ سائنسی ترقی کے دور میں جب سائنس و ٹیکنالوجی معاشرے کے اندر ناقابل تردید حد تک سرایت کر چکی ہے اور اس کے بنائندگی گزارنا ممکن نہیں تو یہ اشد ضروری ہے کہ معاشی، سماجی، سیاسی، معاشرتی اور ثقافتی مسائل کا سائنس و ٹیکنالوجی کے ساتھ تعلق معلوم کر کے اس کا جائزہ لیا جائے۔ اس جائزہ کی اہمیت اس لیے بھی بہت زیادہ ہے کہ فن کار اپنے فن پارے میں جن مسائل کی عکاسی کرتا ہے ان کی تحریک فنکار کو اپنے معاشرے اور ارد گرد کے ماحول سے حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح اس مطالعے سے ہم اپنے معاشرے میں سائنس و ٹیکنالوجی کی وجہ سے تغیر پذیر معاشرتی اقدار اور سماجی رویوں کو جان سکتے ہیں۔

بنیادی مباحث

ب: سائنس فکشن صورتیں اور عناصر

۱۔ تعارف و اقسام

سائنس فکشن

سائنس اور ادب دو مختلف چیزیں ہیں۔ ادب ایک تخیلاتی دنیا ہے جو کہ احساسات جذبات اور محسوسات سے بھرپور ہے۔ جبکہ اس کے برعکس سائنس ایک حقیقت ہے جو مشاہدات اور تجربات کے ٹھوس حقائق پر مبنی ہے۔ یعنی سائنس اور ادب کے درمیان ایک گہری خلیج حائل ہے۔ سائنس فکشن ہی ادب کی وہ صنف ہے جو ایک ایسا راستہ یا پل یا رابطہ فراہم کرتی ہے جو سائنس اور ادب کو آپس میں یوں ملاتی ہے کہ ان میں تفریق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

سائنس فکشن کیا ہے؟

Carl freedman اپنی تصنیف Critical Theory and Science Fiction میں سائنس فکشن کی تعریف یوں درج کی ہے۔

“A literary genre whose necessary and sufficient conditions are the presence and interaction of estrangement and cognition, and whose main formal device is an imaginative framework alternative to the author’s empirical environment. Estrangement differentiates [science fiction] from the ‘realistic’ literary mainstream, while cognition differentiates it from myth, the folk tale, and fantasy.”^(۱)

ایک ادبی صنف جس کی ضروری اور کافی شرائط اجنبیت اور علمیت کی موجودگی اور ان کا باہمی تعامل ہیں، اور جس کا بنیادی رسمی وسیلہ مصنف کے تجرباتی ماحول کے متبادل کے طور پر ایک تخیلاتی فریم ورک ہے۔ اجنبیت سائنس فکشن کو حقیقت پسندانہ ادبی مرکزی دھارے سے مختلف کرتی ہے، جبکہ علمیت اسے دیومالا، لوک کہانیوں، اور فینٹسی سے ممتاز کرتی ہے۔

اجنبیت سے مراد وہ ترقی یا خیالی دنیا جو حقیقت میں موجود نہ ہو بلکہ مصنف کے تخیل سے کہانی کی شکل میں پیش ہو۔ علمیت سے مراد وہ تخیل جو قابل فہم ہو اور ٹیکنالوجی جو سائنس کے اصول و ضوابط کے مطابق ہو۔ سائنس کی وہ ترقی جو کسی اصول اور نظریے پر مبنی ہو۔ سائنس یا ٹیکنالوجی کی مستقبل میں ظاہر ہونے والی صورت جو حال میں موجود نہ ہو۔

سائنسی تخیلات کے ساتھ اس دنیا کے علاوہ دوسرے سیاروں پر موجود زندگی اور وہاں پر بسنے والی مخلوقات جنہیں عرف عام میں خلائی مخلوقات (ایلینز) کہا جاتا ہے کے متعلق کہانی بھی اسی زمرے میں آتی ہے۔ زمین سے دوسرے سیاروں کی جانب سفر کے متعلق کہانی بھی اسی صنف سے تعلق رکھتی ہے۔

اگر کسی مصنف کی تحریر میں اس کے تخیلات کا رخ سائنس کی ایجادات کی جانب ہو یا ان سائنسی ایجادات کی وجہ سے پیدا ہونے والی معاشرتی، ماحولیاتی یا حیاتیاتی تبدیلیوں کی جانب ہو یا پھر خلا اور دیگر سیاروں کے سفر کی جانب ہو تو اس تحریر کو سائنس فکشن کہا جائے گا۔

فکشن کی تعریف کے مطابق فکشن کا لازمی اور ابتدائی جزو کہانی ہے۔ اگر لکھاری کہانی میں قیاسی سائنسی ایجادات اور ان کے نتائج یا نقصانات جو بالواسطہ یا بلاواسطہ معاشرے، سماج، سیاست، معیشت، مذہب یا افراد پر اثر انداز ہوں کو شامل کر لے تو یہ کہانی سائنس فکشن کے زمرے میں آئے گی۔ Encyclopedia Britannica میں سائنس فکشن کی تعریف یوں درج ہے۔

“A form of fiction that deals principally with the impact of actual or imagined science upon society individuals.” (۲)

کہانی کی ایک قسم جو بالخصوص سماج یا افراد پر سائنس کے حقیقی یا قیاسی اثرات سے متعلق ہو۔

اس مندرجہ بالا تعریف کے تحت یہ واضح ہے کہ سائنس فکشن کا تعلق صرف قیاسی سائنسی ایجادات اور ان کے تخیلاتی نتائج سے ہی نہیں بلکہ اس کا تعلق حقیقی سائنسی ایجادات جو اب تک کے موجودہ معاشرے میں انسانی زندگی میں شامل ہو چکی ہیں ان کے انسانی زندگی اور معاشرے پر اثرات سے متعلق بھی ہے۔ یہ ایک ایسا سچ ہے جسے موجودہ دور جدید میں نہیں جھٹلایا جاسکتا کہ جہاں سائنسی ایجادات نے انسانی زندگی کے لیے بہت ساری آسانیاں پیدا کی ہیں وہاں زندگی کے لئے بہت سے مسائل بھی پیدا کیے ہیں۔ جن میں سے کچھ تو ایسے مسائل ہیں جن کی حقیقت کو انسان جان چکا ہے اور کچھ ایسے مسائل ہیں جن کو جاننے کے مرحلے سے انسان ابھی گزر رہا ہے اور کچھ تو ایسے مسائل بھی ہیں جن کا درپیش آنا بھی باقی ہے۔ لہذا ایسے مسائل کی حقیقت ابھی انسان سے پوشیدہ ہے۔ ان پوشیدہ حقیقتوں کو ایک ذی شعور اور مستقبل کے متعلق تخیلاتی شعور رکھنے والا مصنف یا ادیب جو معاشرے، تہذیب اور ثقافت میں ان سائنسی ایجادات کی وجہ سے مستقبل میں ہونے والی تبدیلیوں کو

بھانپ اور محسوس کر لے ہی آشکار کر سکتا ہے۔ ان مضمراثرات کو ظاہر کرتے ہوئے پیشگی احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کی پیشین گوئی بھی کر سکتا ہے۔

بقول خورشید اقبال "اردو میں سائنس فکشن کی روایت" میں سائنس فکشن کی سب سے خوبصورت تعریف

” Science fiction in which the revealed truths of science may be given interwoven with a pleasing story which may itself be poetical and true.”(۳)

سائنس فکشن جس میں سائنسی حقائق کو ایسی دلچسپ کہانی کے ساتھ بن دیا جاتا ہے جو بذات خود تخیل بھی ہو سکتی اور حقیقت بھی۔

مندرجہ بالا تمام مباحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سائنس فکشن ہی ادب کی ایسی قسم ہے جو اپنے احاطے میں ان ناولوں اور افسانوں کو شامل کرتی ہے جن میں حال اور آنے والے وقت میں دنیا میں ہونے والی سائنس کی ترقیات اور ان کے نتیجے میں انسانی سماج اور زندگیوں کو لاحق خطرات اور اثرات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ عموماً ان ناولوں اور افسانوں کی کہانیاں جدید سائنس کی ایجادات معاشرتی، ماحولیاتی و حیاتیاتی تبدیلیوں خلا کے سفر اور نئی دنیا اور ان میں رہنے والوں کے متعلق ہوتی ہیں۔ مشرف عالم ذوقی نے ناول "پو کے مان کی دنیا" اور مرزا طہر بیگ نے ناول "صفر سے ایک تک" تحریر کر کے نئی سائنسی ایجادات جن کی بدولت ہماری زندگیوں میں آسانیاں تو ضرور پیدا ہوئی لیکن ساتھ ہی کچھ ایسی خرابیاں بھی ضرور پیدا ہوئیں جن کا تذکرہ کیا ہے۔ ادب میں مافوق الفطرت عناصر کی شمولیت ابتدا سے موجود ہے۔ دوسری جانب ادب میں حقیقت کا رجحان اور عناصر بھی موجود ہیں۔ ناممکن تصورات کی ادبی اصناف اور حقیقت پر مبنی ادبی اصناف کے درمیان سائنس فکشن ایک ایسی ادبی صنف جو ایسے تخیلات پیش کرتی جو ممکن ہو سکتے ہیں۔

انسانی ذہن اور خاص طور پر ادیب کا ذہن تخیلات کی دنیا میں رہتے ہوئے نئے نئے تصورات اور مفروضے قائم کرتا ہے۔ پھر اپنے ان خیالات اور تصورات کو کہانی کی شکل میں عوام کے سامنے پیش کرتا ہے۔ قاری کی توجہ حاصل کرنے کے لیے چونکا دینے والے کردار پیش کرتا ہے۔ پہلے پہل اس کوشش کے نتیجے میں کئی مافوق

الفطرت کردار اور کہانیاں مثلاً عمر و عیار، طلسم ہو شر با، الف لیلی، دیو اور جن قصہ چہار درویش وغیرہ تخلیق کی گئیں۔ ان کہانیوں اور کرداروں کی تخلیق بغیر کسی سوچ اور کلیہ کے وجود میں آئی۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا جب تخلیق کاروں نے اپنے افسانوں اور ناولوں میں سائنسی کلیات اور اصولوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ایسے کردار اور کہانیاں تخلیق کیں جو ممکنات معلوم ہوتی تھیں۔ قاری کو مطمئن کرتے ہوئے سائنسدان کو ایک ایسی سوچ اور نظریہ پیش کیا جو سائنسدانوں کی محنت سے حقیقت کا روپ دھار کر ظاہر ہوا۔ اسکی بہت ساری مثالیں مغربی ادب میں موجود ہیں۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ گیارہ اور بارہ سو کی صدی میں مسلمان سائنسدانوں کے پیش کردہ نظریات اور علم کی بنیاد پر ہی مغربی سائنسی علوم کی بنیاد پڑی۔ تیرھویں اور چودھویں صدی عیسوی میں مسلمان ریاستیں اور پھر اس کے نتیجے میں مسلمانوں کی فکری اور علمی بصیرت بھی انحطاط کا شکار ہوئیں۔ لیکن مغرب میں علم کے حصول کی ایک ایسی لہر چلی جس نے مغرب کی فکری اور علمی بصیرت کو بڑھا دیا۔ سولہویں صدی عیسوی سے مغرب کی ترقی کا دور شروع ہوا جس میں انہوں نے سائنسی ایجادات کے ذریعے انسانی سوچ اور طرز زندگی کو نیا رخ عطا کیا۔ جس کا اثر انسانی معاشرے سوچ اور زندگی پر براہ راست ہوا ادب اور سماج کا گہرا تعلق ہونے کی وجہ سے ان اثرات کا عکس مغربی ادب میں نمایاں ہوا۔

سائنس فکشن کی ابتدا

سائنس فکشن ادب کی ایک جدید صنف ہے۔ جسے باقاعدہ طور پر ادب کی ایک صنف کا درجہ انیسویں صدی میں حاصل ہوا۔ لیکن اگر صدیوں پرانے ادب کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان مختلف چیزوں کی کھوج خصوصاً کائنات کے بارے میں اور زمین کے علاوہ اس کائنات میں دوسرے سیاروں اور ان پر موجود مخلوقات جنہیں مانوق الفطرت مخلوقات کہنا درست ہوگا کے متعلق اپنے تخیلاتی تصور پیش کرتا رہا ہے۔ اسی سلسلے میں فریڈرک ایس سی اپنی تصنیف Lusians true history of SF میں بیان کرتے ہیں۔

"سائنس فکشن یوں تو ایک جدید صنف ہے لیکن اس کی جڑیں صدیوں پرانے ادب میں پیوست ہیں اس سلسلے کی پہلی کڑی دوسری صدی عیسوی کے شامی مصنف Lucians of smosta کی یونانی زبان میں کی گئی تصنیف True

history کی صورت میں ملتی ہے اس کتاب میں خلائی سفر سیاروں کے درمیان جنگوں اور ریلیئز کا ذکر موجود ہے۔" (۴)

اس اقتباس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ باقاعدہ سائنس فکشن نہ سہی لیکن سائنس فکشن کے کچھ عناصر کئی صدیوں پہلے ہی سے ادب میں موجود ہیں۔ سائنس کے اصول، نظریات اور ٹیکنالوجی نہ ہونے کے باوجود فنکار نے اپنے تخیل کی بدولت خلائی اسفار اور مخلوق کو اپنی کہانی میں شامل کیا ہے۔ سالوں گزر جانے کے آج انہی عناصر پر مبنی کہانی سائنس فکشن کہلاتی ہے۔ یہ عناصر کسی مخصوص علاقہ کے ادب تک محدود نہ تھے۔

بارہ سو عیسوی میں ابن النفیس نے ایک کہانی لکھی جس میں سائنس فکشن کے اجزا موجود ہیں۔ جان کیپلر نے سترہ سو میں اسی طرز کی ایک کوشش کی جس میں دوسرے سیاروں پر موجود طاقتوں کا ذکر ہے جو انسانوں کو زمین سے اٹھا کر اپنے سیارے پر لے جاتی ہیں Carl Sagon اپنی ایک ویڈیو Johannes Kepler persecution کے نام سے بنائی ہے میں بیان کرتے ہیں کہ

"اس ناول میں پہلی مرتبہ تفصیلی طور پر یہ قیاس کیا گیا ہے کہ چاند کی سرزمین سے دنیا کیسی لگتی ہے یہ کس طرح گردش کرتی ہے۔ اس کتاب میں چاند سے متعلق اہم باتیں بیان کی گئی ہیں۔ اسی بنا پر Carl sagon اور Isac asimov نے اس ناول کو دنیا کا پہلا سائنس فکشن قرار دیا ہے۔" (۵)

میری شیلے نے 1818 میں ایک سائنس دان کی کہانی تحریر کی جو کسی حد تک سائنسی اصولوں کے تحت لکھی گئی تھی۔ اسی وجہ سے کچھ لوگوں کے خیال کے مطابق میری شیلے پہلی سائنس فکشن نگار ہیں۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ۲۰۱۱ کے مطابق۔

"زیادہ تر لوگوں کا خیال ہے کہ Marry shelly کا ناول Frankenstein پہلا ماڈرن سائنس فکشن ناول ہے اور اسی بنا پر Shelly کو مادر آف ماڈرن سائنس فکشن کہا جاتا ہے۔" (۶)

مندرجہ بالا مباحث سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ سائنس فکشن کے عناصر تو عرصہ دراز سے ادب میں موجود تھے لیکن باقاعدہ سائنس فکشن کی روایت ادب میں سب سے پہلے مغربی ادب میں شروع ہوئی۔

مغربی ادب میں سائنس فکشن کی روایات

سائنس فکشن اور فینٹاسی دونوں کی کہانی اپنے اندر مافوق الفطرت عناصر کے کردار لیے ہوئے ہوتی ہیں۔ لیکن فینٹاسی میں موجود مافوق الفطرت عناصر کا وجود ثابت کرنا اور اس کے لیے جواز پیش کرنا موجود نہیں ہوتا۔ جب کہ سائنس فکشن میں موجود مافوق الفطرت عناصر کو کسی سائنسی یا عقلی دلیل سے کے تحت پیش کیا جاتا ہے۔

اس لحاظ سے فینٹاسی تو ادب میں کئی صدیوں پہلے موجود تھی لیکن ان مافوق الفطرت عناصر کو سائنسی اور عقلی دلیل سے ثابت کرنے کا عمل ہی باقاعدہ سائنس فکشن کا آغاز کہلاتا ہے۔ اگر اسی اصول کو سامنے رکھ کر سائنس فکشن کی ابتدا کو دیکھا جائے تو ناول Frankenstein جو کہ Marry shelly نے ۱۸۱۸ میں لکھ کر سائنس فکشن کی باقاعدہ ابتداء کی۔ Marry shelly برطانوی مصنفہ تھیں۔ انہوں نے اپنے اس ناول میں ایک سائنسدان کے غلط تجربوں کے نتیجے میں وجود پانے والے ایک خبیث کی کہانی پیش کی۔

جولس ورن (Jules Verne) جو کہ ایک فرانسیسی ناول نگار ہیں نے 1863 میں five weeks in balloon تحریر کی جس میں ایک سائنس دان ڈاکٹر سیموئل فرگوسن کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ جو ہائڈروجن کے بڑے غبارے کی مدد سے افریقہ کی جانب سفر کرتا ہے اور نئے علاقوں کی کھوج کرتا ہے۔

نے بہت سے سائنس فکشن ناول تحریر کیے۔ وکی پیڈیا کے مطابق۔

"اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ نہ صرف فرانس بلکہ دنیا بھر میں سائنس فکشن

کی صنف کا موجد Jules Verne تھا۔ جس نے بہت سارے سائنس فکشن ناول

اور کہانیاں لکھیں اور اس بنا پر ساری دنیا اسے Father of science

fiction مانتی ہے۔" (۷)

بیسویں صدی کے پانچویں عشرے کو اس صنف کا سنہری کہا جاسکتا ہے۔ اس دور میں سائنس فکشن ناولوں کے ساتھ ساتھ سائنس فکشن رسالوں کا بھی اجرا کیا گیا۔ ان رسالوں میں استعمال ہونے والا کاغذ کم درجہ ہونے کی وجہ سے رسالوں کی قیمت بھی کم ہوتی تھی۔ جو سستا ہونے کی بنا پر ہر کسی کے لیے خریدنے آسان تھے۔ بیسویں صدی کی ابتدا میں سائنس فکشن کی مقبولیت کی وجہ سے نقادوں نے بھی اس صنف کو سنجیدہ لینا شروع کر دیا۔

بیسویں صدی کے ساتویں عشرے میں سائنس فکشن کی صنف میں ایک نئی لہر چلی۔ جس میں سائنس فکشن ناول نگاروں نے نئے تجربات کے ذریعے فکشن کی اس صنف کو ایک نئی جہت بخشی۔ اس دور میں سائنس فکشن کی صنف میں سائنسی تخیلات اور ایجادات کے ساتھ ان کے معاشرے پر داخلی اثرات پر زور دیا جانے لگا اور ساتھ ہی سائنس فکشن کے ادبی پہلو پر بھی مد نظر رکھا جانے لگا۔

سائنس فکشن کی قسمیں

سائنس فکشن کی اول دو شاخیں ہیں۔

1. ہارڈ سائنس فکشن Hard science fiction

2. سافٹ سائنس فکشن Soft science fiction

ہارڈ سائنس فکشن

یہ سائنس فکشن کی ایسی قسم ہے۔ جس میں خصوصی طور پر سائنسی معلومات اور نظریات کی سائنسی دلائل کی بنیاد پر تشریحات بیان کی جاتی ہیں۔ ان ناولوں میں موجود کہانی میں تصورات کی آمیزش کے بغیر حقیقی سائنس کو شامل کیا جاتا ہے۔ کیمسٹری اور فزکس کے ثابت شدہ نظریات اور حقائق کو بنیاد بنا کر کہانی پیش کی جاتی ہے۔ Sir L. David Allen اپنی تصنیف Science fiction: An introduction میں کچھ یوں بیان کرتے ہیں۔

“This would be science fiction in which the major impetus for the" exploration which takes place is one of the so-called hard, or physical, sciences, including chemistry, physics, biology, astronomy, geology, and possibly mathematics, as well as the technology associated with, or growing out of, one of those sciences. Such sciences, and consequently any science fiction

based on them, assume the existence of an orderly universe whose laws are regular and discoverable.”(۸)

یہ سائنس فکشن ہوگی جس میں ہونے والی کھوج کا سب سے بڑا محرک نام نہاد ہارڈ یا قدرتی (نیچرل) سائنسز میں سے ایک ہے۔ جس میں کیمسٹری، فزکس، بائیولوجی، فلکیات، ارضیات، اور ممکنہ طور پر ریاضی کے ساتھ ان علوم میں سے ایک سے وابستہ ٹیکنالوجی، یا اس سے بڑھنا بھی شامل ہے۔ اس طرح کے سائنسی علوم اور اس کے نتیجے میں ان پر مبنی کوئی بھی سائنس فکشن، ایک منظم کائنات کے وجود کو فرض کرتے ہیں جس کے قوانین باقاعدہ اور قابل دریافت ہیں۔

یہ سائنس فکشن کی ایسی قسم ہے جس میں سائنسی نظریات اور معلومات پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ جیسے Jules verne کا ناول (۱۸۷۰) 20 Thousand Leagues Under The Sea میں کہانی کا بنیادی جزو ایک آبدوز ہے۔ جس کا نام Nautilus ہے جو بہت تیزی سے سمندر کے پانی میں سفر کرتی ہے۔ یہ آبدوز پانی میں موجود سوڈیم سے پیدا ہونی والی بجلی سے چلتی ہے۔ یہ Jules verne کی سائنسی بصیرت اور تخیل کا نتیجہ تھا۔ Jules verne کی اس تصنیف سے متاثر ہو کر John P. Holland نے اپنی کمپنی کا نام Nautilus Submarine Boat Company رکھا۔ John P. Holland نے امریکہ کی پہلی اجازت یافتہ آبدوز بنائی۔

سافٹ سائنس فکشن

سائنس فکشن کی ایک ایسی شاخ ہے جس میں معاشرہ انسانی نفسیات انسان اور احساسات و جذبات پر سائنسی ایجادات کے اثرات کے متعلق کہانی بیان کی جاتی ہے۔ سائنس فکشن کی اس قسم میں انسان اور انسان سے وابستہ داخلی اور خارجی کیفیات کو سائنسی نظریات اور معلومات پر فوقیت دی جاتی ہے۔ سائنس فکشن کی اس قسم میں کہانیاں نفسیات، معیشت، سیاست، سماج، معاشرت، اخلاقیات اور سائنسی ترقی و ایجادات پر مبنی ہوتی ہیں۔

Historical dictionary of science fiction کے مطابق سافٹ سائنس فکشن کی تعریف یوں ہے۔

“Stories whose speculative content does not involve physics, space travel, or other elements of physical science.” (۹)

ایسی کہانیاں جن کے قیاس آرائی پر مبنی مواد میں فزکس، خلائی سفر یا فزیکل سائنس (قدرتی سائنس) کے دیگر عناصر شامل نہیں ہوتے ہیں۔

سائنس فکشن کی یہ قسم سائنس اور ٹیکنالوجی کے متعلق ترقیاتی قیاس کے ساتھ معاشرتی سائنسی علوم پر خصوصیت سے توجہ مرکوز کرتی ہے۔ یعنی یہ صنف سائنس و ٹیکنالوجی کے فرد و معاشرہ کے ساتھ تعلق اور اسکے تحت حاصل ہونے والے نتائج کو بیان کرتی ہے۔

Sir L. David Allen اپنی تصنیف Science fiction: An introduction میں سافٹ سائنس کے متعلق کچھ یوں بیان کرتے ہیں۔

“A second general category can be labeled Soft Science Fiction. This encompasses science fiction in which the major impetus for the exploration is one of the so-called soft sciences; that is, sciences focusing on human activities, most of which have not been fully accepted as being as rigorous or as capable of prediction as the physical sciences. Soft Science Fiction would include any stories based on such organized approaches to knowledge as sociology, psychology, anthropology, political science, historiography, theology, linguistics, and some approaches to myth. Stories about any technology related to these would also

come under this heading. In this category as well, the assumption of an orderly universe with regular, discoverable laws is a basic criterion for inclusion. As in Hard Science Fiction, under the category of Soft Science Fiction we also have Extrapolative stories and Speculative stories.”(۱۰)

دوسرے عام زمرے کو سافٹ سائنس فکشن کا لیبل لگایا جاسکتا ہے۔ اس میں سائنس فکشن شامل ہے جس میں کھوج کا سب سے بڑا محرک نام نہاد سافٹ سائنسز میں سے ایک ہے۔ یعنی، انسانی سرگرمیوں پر توجہ مرکوز کرنے والی سائنس۔ جن میں سے اکثر کو طبیعی علوم کی طرح سخت یا پیشین گوئی کے قابل ہونے کے لیے مکمل طور پر قبول نہیں کیا گیا ہے۔ سافٹ سائنس فکشن میں ایسی کوئی بھی کہانیاں شامل ہوں گی جو علم کے بارے میں ایسے منظم طریقوں پر مبنی ہوں گی۔ جیسے سماجیات، نفسیات، بشریات، سیاسیات، تاریخ نگاری، الہیات، لسانیات، اور افسانوں کے لیے کچھ نقطہ نظر۔ ان سے متعلق کسی بھی ٹیکنالوجی کے بارے میں کہانیاں بھی اس عنوان کے تحت آئیں گی۔ اس زمرے میں بھی، باقاعدہ، قابل دریافت قوانین کے ساتھ ایک منظم کائنات کا مفروضہ شمولیت کے لیے ایک بنیادی معیار ہے۔ جیسا کہ ہارڈ سائنس فکشن میں ہے۔ سافٹ سائنس فکشن کے زمرے کے تحت ہمارے پاس قیاس آرائی اور تجسس پر مبنی کہانیاں بھی ہیں۔

H.G. Wells جن کا شمار سائنس فکشن کے نامور اور ابتدائی مصنفوں میں ہوتا ہے کا ناول The Invisible Man بھی سافٹ سائنس فکشن کے زمرے میں شامل ہے۔ کہانی میں اہم کردار سائنسدان ہے۔ جو مختلف سائنسی تجربات کے بعد خود کو نظر نہ آنے کے قابل بنا لیتا ہے۔ یہ عمل ہو جانے کے بعد واپسی کا سائنسی عمل کامیاب نہیں ہو پاتا ہے۔ وہ اپنی اس کیفیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے جرائم کی دنیا میں چلا جاتا ہے۔ اپنی اس نظر نہ آنے کی خوبی کی وجہ سے وہ لوگوں کو تنگ کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اس کے ارد گرد موجود تمام لوگ اس کی اس کیفیت کی وجہ سے بہت پریشان ہوتے ہیں۔ لوگوں کی پرائیویسی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ یوں اس ناول میں مصنف سائنس کے معاشرے اور فرد پر اثرات کو بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سائنس فکشن کے عناصر

سائنس فکشن ناول اور دوسرے ادبی ناول میں بنیادی اجزایں جیسے راوی، کہانی، پلاٹ، ترتیب، کردار، زبان اور تھیم موجود ہوتے ہیں۔ البتہ سائنس فکشن کے چند امتیازی عناصر اس صنف کو دوسرے ادبی ناولوں سے ممتاز بناتے ہیں۔

ادبی اصناف کو اسلوب اور ساخت کی بنیاد پر دو بنیادی اقسام شاعری اور نثر میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اسی طرح نثری اصناف کی بھی خصوصیات اور امتیازی عناصر کی بنیاد پر مختلف اقسام میں جماعت بندی کی جاتی ہے۔ ان نثری اصناف میں سے ناول کو مختلف عناصر کی بنیاد پر کئی اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ سائنس فکشن بھی ناول کی ایک ذیلی قسم ہے جس کا ایک مخصوص امتیازی وصف اسے دوسرے ادبی ناولوں سے منفرد بناتا ہے۔ سائنس فکشن ناول کا یہ امتیازی وصف سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی اور اس کے فرد و معاشرے پر اثرات سے متعلق قیاس کرنا ہے۔ سائنس فکشن کی ذیلی قسم سافٹ سائنس فکشن میں سائنس فکشن کا بنیادی عنصر سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی یا اثرات کے متعلق قیاس کرنے کے ساتھ ساتھ سافٹ سائنس فکشن کا کلیدی امتیازی عنصر بھی موجود ہے۔ سافٹ سائنس فکشن کا یہ عنصر قدرتی سائنس کے بجائے معاشرتی سائنس (معاشرے اور افراد کے درمیان تعلق کے ساتھ وابستہ مختلف شعبے نفسیات، سوشالوجی، انتھروپالوجی، معاشیات، سیاسیات و جغرافیہ) پر زیادہ توجہ مرکوز کرتا ہے۔ فرد اور معاشرے کے درمیان تعلق کے ساتھ وابستہ مختلف علوم معاشرتی سائنس کے زمرے میں آتے ہیں۔ ان علوم میں عمرانیات، نفسیات، بشریات، معاشیات، سیاسیات اور تاریخ نگاری وغیرہ شامل ہیں۔ ان علوم کے تحت فرد اور معاشرے کے درمیان تعلق کا کئی زاویوں سے مطالعہ کیا جاتا ہے اور مسائل کی نشاندہی کر کے ان کے حل تجویز کیے جاتے ہیں۔ یوں سافٹ سائنس فکشن قیاسی عنصر کے ساتھ مخصوص حالات میں معاشرتی نفسیاتی سیاسی اور ثقافتی مسائل کو بھی بیان کرتی ہے۔ مخصوص حالات سے مراد مخصوص جغرافیائی حدود میں قیاس کی گئی سائنس و ٹیکنالوجی جو فی الوقت اس معاشرے میں موجود نہ ہو ایک مخصوص معاشرتی ماحول بناتی ہیں۔ اس مخصوص معاشرتی ماحول کے اپنے حالات اور مسائل بیان کیے جاتے ہیں۔ سر ایل ڈیوڈ ایلن نے سائنس فکشن اور سافٹ سائنس فکشن کے عناصر کے متعلق اپنی تصنیف Science fiction: An introduction میں بیان کیا ہے۔ سر ایل ڈیوڈ ایلن کے مطابق سافٹ سائنس فکشن میں درج ذیل عناصر موجود ہوتے ہیں۔

سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی اور ان کے فرد و معاشرے پر اثرات سے متعلق قیاس کرنا۔

مخصوص حالات میں معاشرتی نفسیاتی سیاسی اور ثقافتی مسائل کو بیان کرنا۔

اس تحقیق میں شامل ناول پو کے مان کی دنیا اور صفر سے ایک تک کا مطالعہ انہی عناصر کے تحت کیا گیا ہے۔

۲۔ فکشن اور سائنس و ٹیکنالوجی کا ربط

فکشن انگریزی زبان کا لفظ ہے۔ فکشن ایسی ادبی تحریروں کو کہا جاتا ہے جن کے اندر قصہ یا کہانی موجود ہو۔ کہانی ادبی قاعدوں کے تحت ہو اور اس میں تصوراتی عناصر کسی خاص ہیئت میں تحریر ہوں۔

کیمبرج ڈکشنری کے مطابق انگریزی کے لفظ فکشن کا مطلب "افسانہ" ہے۔ اردو ادب میں افسانہ ایسی مختصر ادبی تحریر ہے جو کہ ایک ہی نشست میں پڑھی جائے۔ اس میں طویل اور مختصر افسانے کی اقسام بھی موجود ہیں۔ لیکن ناول اور ناولٹ شامل نہیں ہیں۔ لیکن فکشن کی تعریف انگریزی لغت برائٹنیکا کے مطابق۔

“Fiction, literature created from the imagination, not presented as fact, though it may be based on a true story or situation. Types of literature in the fiction genre include the novel, short story and novella.”(۱۱)

فکشن تخیل سے تخلیق کردہ ادب جو حقیقی نہ ہو۔ اگرچہ یہ ایک سچی کہانی یا صورت حال پر مبنی ہو سکتا ہے۔ فکشن میں ادبی اصناف کی اقسام ناول، مختصر کہانی اور مختصر ناول شامل ہیں۔

اس تعریف کے مطابق فکشن میں وہ تمام نثری ادبی اصناف شامل ہیں جن میں کہانی موجود ہو۔ اگر فکشن لفظ کا معنی دیکھا جائے تو وہ افسانوی ادب ہے۔ اردو ادب میں افسانہ اس مخصوص تحریر کو کہا جاتا ہے جو مختصر وقت میں پڑھی جاسکتی ہے۔ اسی کے متعلق پروفیسر آل احمد سرور اپنے ایک مضمون میں فکشن کے متعلق بیان کرتے ہیں۔

”فکشن کا لفظ ناول اور افسانہ دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اردو میں فکشن کے لیے

افسانوی ادب کی اصطلاح برتی گئی ہے۔ مگر چونکہ افسانہ ہمارے ہاں مختصر افسانے کے

لیے مخصوص ہو گیا ہے اس لیے اس لیے افسانوی ادب کہا جائے تو پڑھنے والے کا دھیان مختصر افسانے کے سرمائے کی طرف جائے گا۔ ہم نہ صرف شارٹ سٹوری کے لیے مختصر افسانے کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں بلکہ لانگ شارٹ سٹوری کے لیے طویل افسانے کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ اس لیے میرے نزدیک ناول اور افسانے دونوں کے سرمائے کے لیے فکشن اور فکشن کا ادب استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ انگریزی کی ایسی اصطلاحیں جن کے مترادف ہمارے ہاں نہ ہوں اور جو ہمارے صوتی نظام کے مطابق ہوں انہیں بجنسہ لے لینے میں تامل نہیں کرنا چاہیے۔" (۱۲)

سائنس ایک مشاہداتی اور تجرباتی علم ہے۔ اس میں کسی شے کو جاننے یا اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا ایک مخصوص طریقہ کار ہوتا ہے۔ اس طریقہ کار کے مختلف مرحلے ہوتے ہیں۔ پہلے مرحلے میں مشاہدہ کیا جاتا ہے اور آخر میں تجربہ اور نتائج جمع کیے جاتے ہیں۔ اس منظم طریقہ کار کو بار بار دہرایا جاسکتا ہے۔ درحقیقت سائنس علم کا وہ شعبہ جس میں تجربے کا عمل کر کے کسی شے کے بارے میں نتائج دریافت کیے جاتے ہیں۔ جبکہ ادب تخیلات اور جذبات سے بھرپور علم ہے۔ سائنس اور فکشن کے درمیان تعلق اہم اور کثیر جہتی ہے۔ سائنس فکشن، اکثر معاشرے، افراد اور پوری دنیا پر سائنسی اور تکنیکی ترقی کے اثرات کو دریافت کرتا ہے۔ یہ صنف مصنفین کو قیاس آرائیاں کرنے کی اجازت دیتی ہے۔

مستقبل کے بارے میں، نئے امکانات کا تصور کرنا، سائنسی اور تکنیکی ترقی کے ذاتی اور معاشرتی اخلاقی مضمرات پر غور کرنا۔ فکشن اور سائنس کے درمیان تعلق کے کچھ اہم پہلو یہ ہیں۔

۱۔ متاثر اور پیشین گوئی کرنا:

سائنس فکشن نے اکثر سائنس دانوں اور انجینئروں کے لیے تحریک کا کام کیا ہے۔ مصنفین ایسی ٹیکنالوجیز کا تصور پیش کرتے ہیں جو شاید ابھی موجود نہ ہوں لیکن مستقبل میں حقیقت بن سکتی ہیں۔ فکشن کے کچھ کاموں نے کچھ ٹیکنالوجیز کی ترقی کی درست پیشین گوئی کی ہے یا ان پر اثر انداز ہوئے ہیں۔

۲۔ سماجی تبصرہ:

سائنس فکشن ایک عینک ہو سکتی ہے جس کے ذریعے سائنس اور ٹیکنالوجی سے متعلق سماجی مسائل اور خدشات کو تلاش کیا جاتا ہے۔

۳۔ عوامی ادراک اور تفہیم:

مصنفین اخلاقی ابہام، ٹیکنالوجی کے غلط استعمال، اور انسانیت پر سائنسی ترقی کے اثرات کو حل کرنے کے لیے مستقبل یا قیاس آرائی پر مبنی ترتیبات کا استعمال کرتے ہیں۔ وہ یا تو جوش اور تجسس کو فروغ دے سکتے ہیں یا خوف اور احتیاط پیدا کر سکتے ہیں۔ سائنس فلشن میں کس طرح مخصوص ٹیکنالوجیز کی نمائندگی کی گئی ہے وہ عوامی رویوں اور مباحثوں کو متاثر کر سکتی ہے۔

۴۔ خیال (آئیڈیاز) کی تلاش:

سائنس فلشن پیچیدہ سائنسی اور تکنیکی تصورات کو زیادہ قابل رسائی طریقے سے دریافت کرنے کے لیے ایک پلیٹ فارم فراہم کرتی ہے۔ مصنفین پیچیدہ نظریات یا خیالات کو پرکشش بیانیوں میں توڑ سکتے ہیں جو انہیں وسیع تر سامعین کے لیے سمجھنے میں آسان بنا دیتے ہیں۔

۵۔ اخلاقی تحفظات:

بہت سے سائنس فلشن کام سائنسی اور تکنیکی ترقی کے اخلاقی مضمرات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ وہ ٹیکنالوجی کے ذمہ دارانہ استعمال، بعض پیشرفت کے ممکنہ نتائج، اور پیدا ہونے والے اخلاقی مضمضوں کے بارے میں سوالات اٹھاتے ہیں۔

۶۔ ثقافتی اثر:

خاص طور پر مقبول سائنس فلشن، ثقافتی منظر نامے میں حصہ ڈالتی ہے اور اجتماعی تخیل کو تشکیل دیتی ہے۔ مشہور افسانوی اور حقیقی ٹیکنالوجیز اور تصورات، جیسے روبوٹس، خلائی سفر، اور مصنوعی ذہانت، مقبول ثقافت میں جڑی ہوئی ہیں اور حقیقی دنیا کی تکنیکی ترقیوں کے سماجی رویوں پر اثرات کو بیان کرتی ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے ساتھ ہمارے تعلقات کی عکاسی کرتی ہے۔ یہ امکانات کو تلاش کرنے، جمود پر سوال اٹھانے، اور ان شعبوں میں پیشرفت کے وسیع تر مضمرات پر غور کرنے کے لیے تخلیقی جگہ کے طور پر کام کرتی ہے۔

ج: اردو میں سائنس فلشن کی روایت

اگر اردو ادب میں روایات اور اصناف کا ذکر کیا جائے تو ضروری ہے کہ تاریخ کے پردوں سے جھانک کر ابتدا سے بات شروع کی جائے تاکہ اردو ادب میں پہلے سے موجود رجحان اور بعد میں شامل ہونے والی روایات اور اصناف کے زمانہ ابتدا کا احاطہ کیا جاسکے۔

اردو ادب کے ابتدائی دور میں داستان، مثنوی، قصیدہ، غزل اور مرثیہ کی روایت موجود تھی۔ اس میں مقبول ترین صنف شاعری تھی۔ اٹھارویں صدی میں جب مغرب میں سائنس فلشن کی روایت پڑ چکی تھی تو اس وقت اردو ادب میں شاعری اور داستان میں عشق و محبت، مذہب و تصوف، ہجر و فراق، تخیل اور مافوق الفطرت عناصر موجود تھے۔ لیکن سائنس کا نام و نشان موجود نہ تھا۔ جس کی ایک بڑی وجہ جدید علوم خصوصاً سائنس کی طرف عدم توجہی تھی۔ سترہویں صدی کے آخر اور اٹھارویں صدی کی ابتدا میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی برصغیر میں آمد کی وجہ سے مغربی ادب کی اصناف اردو ادب میں داخل ہوئیں۔ ان اصناف کی اردو ادب میں داخل ہونے کی وجوہات اور محرکات کی تفصیل میں جانا مقصود نہیں ہے البتہ ان اصناف میں نظم، ناول اور افسانہ قابل ذکر ہیں۔

۱۸۵۷ کی جنگ آزادی سے پہلے تک اردو ادب میں حقیقت اور مقصدیت کا رجحان بہت کم تھا۔ ۱۸۵۷ کی جنگ آزادی کے بعد اردو ادب میں حقیقت اور مقصدیت کے رجحان کی وجہ سے مغربی ادب سے کئی اصناف مستعار لی گئیں۔

ان مندرجہ بالا حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ فلشن یعنی نثر کی روایت اردو ادب میں ازل سے موجود تھی لیکن اس میں سائنسی عناصر اور سوچ شامل نہ ہونے کی وجہ سے سائنس فلشن کمیاب تھی۔ کیونکہ اردو زبان کے بولنے والے سائنس کے علم سے کوسوں دور تھے۔ اس دوری کی دوسری وجوہات کے علاوہ ایک بڑی وجہ معاشی کمزوری بھی تھی۔ اس تناظر میں ابن خلدون اپنی تصنیف المقدمہ میں رقمطراز ہیں۔ "صرف خوشحال قومیں ہی سائنس میں ترقی کرتی ہیں" (۱۳)

سائنس کے علم سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اردو ادب کے مصنفین اپنی تخلیقات میں اس قسم کے تجربات کرنے سے قاصر تھے۔ سائنس فلشن کی تخلیق اور عام ادبی تخلیق میں فرق ہے۔ کسی بھی زبان کی عام ادبی تخلیق کے لیے زبان کا علم اور تخلیقی ذہن ہونا ضروری ہے۔ اگر یہ دونوں خوبیاں کسی انسان میں جمع ہو جائیں تو ادبی تخلیق کار بن سکتا ہے۔ جبکہ سائنس فلشن کے لیے ان دونوں خصوصیات کے علاوہ سائنسی علوم سے آگاہی بھی ضروری ہے۔ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خورشید اقبال اپنی تصنیف اردو میں سائنس فلشن کی روایت میں بیان کرتے ہیں۔

"سائنس فکشن نگار بننا کتنا مشکل ہے۔ ادیب تو کوئی بھی وہ شخص بن سکتا ہے جس کے اندر تخلیقیت موجود ہو لیکن سائنس فکشن نگار بننا ایک مشکل امر ہے۔ اس کے لئے سائنسی بصیرت لازمی ہے۔ ہر سائنس فکشن نگار ادیب ہوتا ہے لیکن ہر ادیب سائنس فکشن نگار نہیں ہو سکتا۔" (۱۴)

سائنسی علوم سے واقفیت ہی کی صورت میں تخلیق کار نئی ایجادات کے متعلق ایسے تخیل فراہم کر سکتا ہے جو کسی سائنسی اصول کے دائرے میں ہوں اور پھر ان تخیلاتی ایجادات کے معاشرے پر مثبت اور منفی اثرات کی نشاندہی بھی کر سکتا ہے۔ سائنس فکشن نگار کی اس نشاندہی کی بدولت معاشرتی اصلاح اور مستقبل میں آنے والی مشکلات کے لیے لائحہ عمل تیار کیا جاسکتا ہے۔ اردو ادب میں سائنس فکشن کی روایت بیسویں صدی کی ابتدا میں ملتی ہے۔ اس ابتدائی کاوش کو باقاعدہ سائنس فکشن کی تصانیف تو نہیں کہا جاسکتا البتہ ان میں موجود مرکزی کردار مصنف کے تخیل کی بدولت کچھ ایسی چیزوں کا استعمال کرتے ہیں جو مغربی ناولوں میں موجود سائنسی عناصر سے مماثلت رکھتی ہیں۔ بقول خورشید اقبال

"اردو کے دو مصنفین محمد حسین جاوید اور احمد حسین قمر نے سات جلدوں پر محیط طلسم ہوش ربا کے عنوان سے ایک طویل داستان لکھی۔ جو دراصل عربی داستان، داستان امیر حمزہ کی بنیاد پر لکھی گئی تھی۔ اس داستان میں سائنس فکشن کے کئی عناصر پائے جاتے ہیں اور اسی وجہ سے اسے اردو کا پہلا Proto science fiction کہا جاسکتا ہے۔" (۱۵)

اس کہانی کا مرکزی کردار عمرو عیار کوئی مافوق الفطرت کردار نہیں بلکہ ایک عام انسان ہے۔ لیکن اسکے پاس ایک تھیلا ہے جسے مصنف ذنبیل کا نام دیتا ہے موجود ہے۔ جس کی خوبی اس کا بے وزن ہونا اور چھوٹی سے چھوٹی چیز سے لے کر بڑی سے بڑی چیز اس میں سما سکتی ہے۔ اس تھیلے کی مماثلت ڈوریمون کے کارٹون کے پاس چار جہتی Four dimensional جیب ہے۔ جس میں لاتعداد سامان (گیجٹ) رکھ سکتا ہے۔ عمرو عیار کے پاس بھی غیب ہونے اور اڑنے کے لیے مختلف چیزیں اسی تھیلے میں موجود رہتی ہیں۔ اس داستان کے بعد ندیم صہبائی کے جاسوسی ناول نقلی رئیس جو ۱۹۳۰ کے عشرے میں منظر عام پر آیا میں بھی سائنس فکشن کے عناصر

موجود ہیں۔ یہ سلسلہ آگے بڑھتے ہوئے خان محبوب طرزی جن کے سائنس فکشن ناولوں میں قیامت صغریٰ، سفر زہرا، شہزادی نور، فولادی پتلی، حادثہ، مصنوعی چاند اور عالم مکاں وغیرہ شامل ہیں۔

اردو سائنس فکشن ناول نگاروں میں اظہار اثر کا نام بہت نمایاں ہے۔ جن کا پہلا سائنس فکشن ناول ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا۔ اظہار اثر کے سائنس فکشن ناولوں کی تعداد تقریباً سو ہے۔ انسائیکلو پیڈیا آف انڈین لٹریچر کے مطابق "اظہار اثر کے سائنسی ناولوں کی تعداد پچاس کے قریب ہے۔" (۱۶)

ابن صفی اردو سائنس فکشن ناول کے دوسرے بڑے مصنف ہیں۔ ان کے جاسوسی ناول بہت مشہور ہوئے۔ ان ناولوں میں مشہور عمران سیریز ہے۔ ابن صفی نے کل ۲۴۵ جاسوسی ناول لکھے ہیں۔ جن میں سے ۱۲۵ فریدی حمید سیریز اور ۱۲۰ عمران سیریز کے ناول ہیں۔ ان سائنس فکشن ناول نگاروں کے علاوہ اشفاق احمد، کرشن چندر، اکرام آلہ آبادی، مظہر کلیم، ایم اے راحت، سراج انور، محمد عادل منہاج، رفیع احمد فدائی، عبدالروف نظامی، آغا حشر، اظہار الحق کے علاوہ چند اور ناول نگاروں کے نام بھی قابل ذکر ہیں۔ سائنس فکشن ناولوں کے علاوہ رسالہ، فلم اور ڈراموں پر بھی کام ہوا اور عوام میں مقبولیت بھی حاصل کی۔ ۱۹۰۵ء میں شائع ہونیوالا رقیہ سخاوت حسین کا اردو ناول "سلطانہ کا خواب" کو بھی یوٹیویائی تانیثی سائنس فکشن کہا جاسکتا ہے۔

اس پورے باب کی بحث کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ سائنس فکشن ایسی ادبی صنف ہے جو انسان اور انسانی معاشرتی ماحول میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی وجہ آنے والی تبدیلیوں اور اثرات کو بیان کرتی ہے۔ موجودہ دور کی ترقی کی وجہ سے ٹیکنالوجی ہمارے معاشرے کے ضروری جزو کا مقام حاصل کر چکی ہے اور یہ وقت کی ضرورت ہے۔ آج جب اس دنیا میں انسانوں کی آبادی آج سے سو سال پہلے کی آبادی کا چار گنا ہے تو آبادی کے اسی تناسب سے انسانی ضروریات بھی بڑھ رہی ہیں۔ جیسے خوراک اور ادویات کی ضروریات وغیرہ۔ انسانوں کی آبادی میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے لیکن زمین اور اس پر موجود وسائل دن بہ دن کم پڑتے جا رہے ہیں۔ اسی لیے آج تھوڑی زمین سے زیادہ خوراک اور انسانی ضروریات کے لیے زیادہ مقدار میں مصنوعات کی ضرورت ہے۔ زیادہ مصنوعات کے حصول کے لیے وسائل کا بھی استعمال زیادہ ہوتا ہے۔ جس سے وسائل کی کمی کے ساتھ ماحول کے لیے بھی خطرات بڑھ رہے ہیں۔ ان تمام مسائل کو حل اور ضروریات کو پورا کرنے کے لیے انسان کو سائنس اور ٹیکنالوجی کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آج انسانی معاشرے کی بقا سائنس

اور ٹیکنالوجی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ جس طرح ٹیکنالوجی ہمارے آج کے معاشرے کی اس حد تک ضرورت اور حصہ ہے تو اسی طرح سائنس اور ٹیکنالوجی کی ہمارے ادب میں بھی مناسب شمولیت ضروری ہے۔ کیونکہ اس دنیا میں موجود تمام جانداروں کا اپنے ماحول سے بہت گہرا تعلق ہوتا ہے۔ ماحول میں وہ تمام اشیا شامل ہوتی ہیں جو جاندار کے ارد گرد پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح انسان بھی اپنے معاشرتی ماحول میں موجود عناصر سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ ان عناصر میں قدرتی کے ساتھ وہ مصنوعی عناصر بھی شامل ہیں جو سائنس اور ٹیکنالوجی کی دہن ہیں۔

ادیب معاشرے کا نباض ہوتا ہے۔ فرد اور معاشرے کو متاثر کرنے والی اشیا اور جزیات کو محسوس کر کے تحریر کرتا ہے۔ یہ صنف ادیب کو ایک ایسی بصارت عطا کرتی ہے جس سے وہ ٹیکنالوجی کے پیدا کردہ معاشرتی و سماجی مسائل کو دیکھتا ہے۔ مستقبل میں آنے والی تبدیلیوں اور انکے اثرات کے متعلق اپنے تخیل سے بیان کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اس صنف کا مقصد سائنس کے متعلق آسان تفہیم فراہم کرنا بھی ہے۔ وہ مشکل سائنسی نظریات اور اصول جو عام آدمی کی سمجھ سے بالاتر ہوں کو سادہ اور آسان طریقے سے سمجھانے میں مدد دیتی ہے۔ البتہ ادیب کا سائنس کے متعلق علم ہونا ضروری ہے۔ غرض ادب کی یہ صنف وقت کی اہم ضرورت ہے۔

حوالہ جات

۱۔ Carl freedman, Critical Theory and Science Fiction
, Wesleyan university press Middletown, USA, 2000, p16

۲۔ <https://www.britannica.com/search/science+fiction> ,
17 march, 2024, 7:35pm

۳۔ خورشید اقبال، اردو میں سائنس فکشن کی روایت، بک ٹاک لاہور، ۲۰۱۸ء، ص ۳۲

۴۔ Fredricks.S.C, Lucians True History as SF, Science
Fiction Studies, vol3, No.1, 1976, p.no.49_60

۵۔ YouTube.com, video, carlsagon, Johannes keplers
precautions, 20 march, 2024, 5:15pm

۶۔ <https://www.britannica.com/search/marry+shely>
, 20march, 2024, 4:10pm

۷۔ https://en.wikipedia.org/wiki/Jules_Verne
, 20march, 2024, 4:55pm

۸۔ L. David Allen, Cliffs Notes on Science Fiction: An
Introduction, LINCOLN, NEBRASKA 68501, 1973,
Page no3

۹۔ <https://sfdictionary.com/view/1672/soft-science-fiction>,
21March, 2024, 10:00 am h

۱۰۔ L. David Allen, Cliffs Notes on Science Fiction: An Introduction, Page no3

۱۱۔ <https://www.britannica.com/search/fiction>, 25march-

, 2024, 9:00am

۱۲۔ آل احمد سرور، فکشن کیا کیوں اور کیسے؟، ڈاکٹر صغیر افرام، فکشن آل احمد سرور کی نظر میں، اردو فکشن تنقید اور تجزیہ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۲۰۰۳، ص ۲۴۸

۱۳۔ خورشید اقبال، اردو میں سائنس فکشن کی روایت، ص ۱۲۵

۱۴۔ ایضاً، ص ۱۳۱

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۳۲

۱۶۔ Encyclopedia of Indian literature, vol 5, shitya academy, Dehli, 1992, pp_3895-96

باب دوم

ناول "پو کے مان کی دنیا" اور "صفر سے ایک تک" میں سافٹ سائنس فکشن کے تحت
مخصوص حالات میں معاشرتی، نفسیاتی، سیاسی اور ثقافتی مسائل کا مطالعہ

مشرف عالم ذوقی (۲۴ مارچ ۱۹۶۲ تا یکم اپریل ۲۰۲۱)

۲۴ مارچ ۱۹۶۲ میں بہار کے شہر آگرہ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے لکھنے کی شروعات ۱۷ برس کی اوائل کی عمر سے شروع کی۔ ان کا پہلا ناول "عقاب" ہے۔ اس کے بعد "آنکھیں"، "ذبح"، "شہر چپ ہے" اور "نیلام گھر" اپنی عمر کے دوسرے عشرے تک مکمل کر چکے تھے۔ ۲۰۲۰ تک ان کے مزید تین ناول "آتش رفتہ کا سراغ"، "مرگ انبوہ" اور "لے سانس بھی آہستہ" شائع ہو گئے تھے۔ یہ تمام ناول حال میں موجود حالات اور مستقبل میں آنے والی مشکلات کو بیان کرتے نظر آتے ہیں۔ وبائی مرض کی وجہ سے یکم اپریل ۲۰۲۱ کو دنیا فانی سے کوچ کر گئے۔ انہیں سرسید نیشنل ایوارڈ، کرشن چندر ایوارڈ، اردو اکادمی دہلی ایوارڈ، انٹرنیشنل ہیومن رائٹس ایوارڈ کے علاوہ کئی دیگر اعزازات انہیں سے نوازا گیا۔

ناول کے مصنف کا نام مشرف عالم ذوقی، ہندوستان، کل صفحہ ۳۳۵، اشاعت ۲۰۰۴، سافٹ سائنس فکشن ناول جس میں ثقافتی تصادم اور نو استعماریت کے علاوہ صارفیت، ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کی وجہ سے گلوبلائزیشن اور انٹرنیٹ وغیرہ کے نفسیاتی اثرات شامل ہیں۔

اس کہانی میں وہ عالمی قوتیں اور بااثر لوگ موجود ہیں جو اپنے مفاد کی خاطر کمزور اور کم درجے کے افراد کو استعمال کرتے ہیں۔ اس کہانی میں نوجوان اور بڑی عمر کے لوگ بھی شامل ہیں جو کسی کے مفاد کا لقمہ بنتے ہیں۔ اس کہانی میں آج کے میڈیا کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اس میں مقامی اور عالمی سطح کے معاشروں اور افراد کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ یہ کہانی ایک جج کی زبانی بیان ہوتی ہے۔ جو ہندوستان کے دیہاتی علاقے گوپال گنج کا پیدائشی ہے۔ اپنی محنت کے بدلے منصف کے عہدے پر فائز ہو کر شہر کا سکونت گاہ بناتا ہے۔ روی کا مقدمہ اس کو ذہنی طور پر ہلا کر رکھ دیتا ہے۔ وہ اپنے ارد گرد موجود معاشرتی ثقافتی اور تہذیبی اقدار کو گہری نظر سے دیکھتا ہے تو سب غلط نظر آتا ہے۔ دو متوازی کہانیاں ناول میں موجود ہیں۔ روی کنجن بارہ سال کا لڑکا ہے اور سونالی اس کی ہم جماعت ہے۔ روی ایک کنٹرولڈ یعنی ٹھیکیدار کا بیٹا ہے جو آزاد منش آدمی ہے۔ میاں بیوی اپنی زندگی میں مگن ہیں۔ بیٹا عدم توجہی کا شکار ہے۔ دوسری کہانی سنیل کی اپنی بیوی اور بچوں کی ہے۔ سنیل کی بیٹی ریا اور بیٹا نتن جدید

معاشرے اور تہذیب کے عکاس ہیں۔ وہ باپ کو اولڈ فیشنڈ اور پرانے خیالات و نظریات کا انسان سمجھتے ہیں۔ سنیل کی بیوی اسنیہ نے بچوں کی سوچ کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا ہے۔ سنیل اپنے بچوں کے مستقبل کے متعلق پریشان ہے۔ آخر کار بچے اپنی پسند کی شادی اپنے انداز سے کر کے اڑ جاتے ہیں۔ سنیل کی زندگی میں ہلچل مچانے والا کیس ہی اصل کہانی ہے۔ بارہ سالہ روی کنچن اور اس کی ہم جماعت سونالی سے جنسی عمل سرزد ہو جاتا ہے۔ معاملہ عدالت تک جا پہنچتا ہے۔ سنیل اس کیس کی سماعت کرتا ہے۔ یہاں سے نئی اور پرانی اخلاقیات کا شدید ٹکراؤ شروع ہو جاتا ہے۔ اس کیس کی گتھی کو سلجھانے کے لیے بچوں میں پیدا ہونے والے اس رویے کے متعلق تحقیق کرتا ہے اور روی سے بھی کئی ملاقاتیں کرتا ہے۔ روی پو کے مان کارٹون کا دلدادہ ہے۔ اسے ان کی لڑائی پاگل کر دیتی ہے۔ سونالی ایک دلت یعنی شودر کی بیٹی ہے۔ جسے سیاست کا شوق ہے۔ بڑے سیاستدانوں کا کارندہ ہے۔ سونالی اکثر روی کے گھر جاتی رہتی ہے۔ ایک دن روی کا باپ اور ماں گندی فلم دیکھنے کے بعد محفوظ جگہ پر رکھنا بھول جاتے ہیں جو وہ اکثر دیکھا کرتے ہیں۔ اس کا علم روی کو بھی ہے سونالی کے کہنے پر روی فلم چلا دیتا ہے۔ جس کے بعد وہ جنسی عمل سرزد ہو جاتا ہے۔ دلت ووٹ بینک کی خاطر ظالم مفاد پرست سیاستدان اس واقعہ کو میڈیا کی مدد سے اچھالتے ہیں۔ سنیل اس فیصلے کے متعلق بہت پریشان ہے جتنا وہ پہلے کبھی پریشان نہیں ہوا ہے۔ سنیل اپنے فیصلے میں جدید ٹیکنالوجی اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کو سزائے موت دے دیتا ہے۔

مرزا اطہر بیگ (۷ مارچ ۱۹۵۰)

مرزا اطہر بیگ کی پیدائش ۷ مارچ ۱۹۵۰ کو شیخوپورہ کے دیہاتی علاقے شر قپور میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام مرزا طاہر بیگ ہے جو تدریس کے شعبے سے منسلک تھے۔ میٹرک شر قپور اور لاہور کے اسلامیہ کالج سول لائنز سے بی ایس سی کرنے کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے فلسفہ میں ماسٹرز کیا۔ ڈرامہ نگار افسانہ نگار اور فلسفی ہیں۔ ۱۹۷۸ میں گورنمنٹ کالج لاہور میں ملازمت اختیار کر لی۔

لکھنے کا آغاز کہانی سے کیا آپ کا پہلا افسانہ "سو پہلا دن ہوا" ہے۔ یہ افسانہ محفل حلقہ ارباب ذوق میں آپ نے پڑھا۔ پہلا ٹی وی ڈرامہ "بیلہ" لکھا۔ ٹی وی کے کل پندرہ ڈرامے لکھے ہیں۔ "پاتال"، "حصار"، "دوسرا آسمان"، "یہ آزاد لوگ"، "دل دل"، "گھرے پانی" وغیرہ مقبول ہیں۔ طویل دورانیہ ڈراموں میں "لفظ آئینہ"، "کیٹ واک"، اور "دھند" مشہور ہیں۔ ناولوں میں "غلام باغ ۲۰۰۶"، "صفر سے ایک تک

۲۰۰۹ء، "حسن کی صورت حال خالی جگہ پر کرو ۲۰۱۴ء" ہیں۔ افسانوی مجموعہ "بے افسانہ ۲۰۰۸ء" میں شائع ہوا۔
۲۰۲۰ء میں آپ کو پرائیڈ آف پرفارمنس ایوارڈ سے نوازا گیا ہے۔

ناول صفر سے ایک تک کے مصنف کا نام مرزا اطہر بیگ پروفیسر جی سی یونیورسٹی لاہور، پاکستان، کل صفحات ۳۹۲ اور اشاعت ۲۰۰۹ء ہے۔ یہ ناول مابعد جدید فکشن اور سافٹ سائنس فکشن ناول ہے۔ نواستعماریت، مافیازم جاگیر دارانہ نظام، میڈیا، گلوبلائزیشن، انٹرنیٹ، تشدد اور نفسیات جیسے موضوعات پر مشتمل ہے۔

ذکاء اللہ عرف ذکی کا بھائی ثناء اللہ ہے اور والد عطا اللہ جاگیر دار خاندان سالار کا منشی ہے۔ یہ پیشہ پچھلے سو سال سے نسل در نسل منتقل ہوتے ہوئے عطا اللہ تک پہنچا ہے۔ دوسرا اہم کردار فیضان سالار ذکی کا دوست، ہم جماعت اور مالک کا بیٹا ہے۔ دونوں آبائی دیہات کو تل سالاراں میں ابتدائی تعلیم حاصل کر کے مزید تعلیم کے لیے لاہور پہنچ جاتے ہیں۔ فیضان اچھے کالج سے تعلیم حاصل کر کے پروفیسر لگ جاتا ہے اور ذکی عام سے کالج سے کمپیوٹر ماسٹر کر کے نوکری کی تلاش میں ہوتا ہے۔ فیضان کباگروپ میں شامل ہو کر تحقیقی مقالہ لکھنے کی ٹھان لیتا ہے اور ذکی کو اپنے مقالے کے لئے انٹرنیٹ سے مواد تلاش کرنے کی ذمہ داری سونپتا ہے۔ یوں ذکی اپنے دوست اور مالک کا سائبر سپیس منشی بن جاتا ہے۔ زلیخا خلجی اور گامود و ہیر و مین ہیں۔ زلیخا کی والدہ فرانسسیسی اور والد پاکستانی ہے جبکہ گاموں ایک دیہاتی قصبہ بھالیکے کی دیہاتی عورت ہے۔ جو کہ ذکی کے بھائی ثناء جو کہ جعلی پیر ہے کہ ڈیرے پر کام کرتی ہے۔ ثناء جنسی ہوس پرستی کا شکار ہے۔ ذکی سالار گروپ کے تشدد کے بعد بھائی کے ڈیرے پر پہنچتا ہے جہاں وہ گامو سے ملتا ہے۔ جس کے ساتھ ذکی کے جنسی روابط بھی قائم ہوتے ہیں۔ زلیخا کا والد اپنی بیٹی کی شادی پاکستان میں کروانا چاہتا ہے اس لیے اسے پاکستان سالار فیملی کے ہاں بھیجتا ہے۔ فیضان کو زلیخا سے یکطرفہ محبت ہو جاتی ہے لیکن وہ سالار گروپ سے تنگ ہے اور اس کی دلچسپی ذکی میں پیدا ہو جاتی ہے جو کہ سالار گروپ کو نہیں بھاتی جس کی وجہ سے ذکی کو اغوا کر کے اذیت دی جاتی ہے۔ جبکہ زلیخا واپس فرانس جا چکی ہوتی ہے۔ فرانس جانے کے بعد بھی ذکی سے والہانہ پیغامات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ذکی کی رہائی میں اگوگو جر کا کردار ہوتا ہے جو کہ تھڑا کانفرنس کا ممبر ہے۔ تھڑا کانفرنس کے تمام ممبر ذکی کے دوست ہیں جن میں آدھے کافی دلچسپ ہیں۔ رہائی کے بعد ذکی سالار گروپ سے بدلہ لینے کا فیصلہ کرتا ہے۔ فیضان کو وعدہ معافی کی سوچ دیتا ہے۔ فیضان اس سوچ پر تحقیقی مقالہ لکھ کر اسے تحریک کی شکل دینا چاہتا ہے۔ ابتدائی طور پر فیضان اس تحریک میں وعدہ معاف سکالر اور بعد میں وعدہ معاف سالار کو شامل کرتا ہے۔ ذکی کا والد عطا اللہ اور اسکے آباو

اجداد ایک صدی سے سالاروں کے منشی چلے آرہے ہیں۔ سالار گروپ کی تمام زمینی اور مالی بے ضابطگیوں کا ریکارڈ عطا اللہ منشی کے پاس ہے جو اسے اپنے بیٹے ذکی کی مدد سے کمپیوٹر پر منتقل کرتا ہے۔ ذکی اس ریکارڈ کو سی ڈی پر منتقل کر کے فیضان کو بطور ثبوت دیتا ہے۔ فیضان کے مقالہ پیش کرنے سے پہلے ہی فیضان کو اغوا کر لیا جاتا ہے۔ ذکی اس کے والد اور بھائی پر سالار کا قہر ٹوٹتا ہے۔ پولیس کے تشدد اور ڈاکوؤں کی لوٹ مار کے بعد مشکل سے جان بچانے پر عطا اللہ منشی اور اس کا خاندان اپنا آبائی قصبہ چھوڑ کر کسی دوسرے قصبے میں آباد ہو جاتے ہیں۔ جہاں ذکی بچوں کو کمپیوٹر کی تعلیم دیتا ہے اور بھائی ثنا کراچی جا کر ثقافتی گروپ کا مینجر بن جاتا ہے۔ جو دبئی اور دیگر ملکوں میں ثقافتی طوائفیں بھیجتا ہے۔ کہانی کا اختتام زلیخا کے مذہبی شدت پسندوں کے ہاتھوں اغوا پر ہوتا ہے جب دنیا کے کسی خطرناک حصہ میں صحافتی فرائض سرانجام دے رہی ہوتی ہے۔

سافٹ سائنس فکشن مخصوص حالات کے اندر نفسیاتی، تاریخی، سماجی، سیاسی اور ثقافتی مسائل سے نمٹتی ہے۔ ان مسائل کا مطالعہ انسانی سرگرمیوں پر توجہ مرکوز کرنے والی سائنس یعنی سافٹ سائنس کے تحت کیا جاتا ہے۔ سافٹ سائنس سے مراد ایسے مضامین ہیں جو انسانی رویے، معاشرے، ثقافت اور تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ یہ علوم جنہیں اکثر سماجی علوم بھی کہا جاتا ہے میں نفسیات، سوشیالوجی، پولیٹیکل سائنس، اقتصادیات، تاریخ اور لسانیات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ ان علوم میں نفسیات کے تحت تنہائی، پہچان، دماغی حالت اور رویے کا مطالعہ بشمول جذبات، ادراک اور باہمی تعلقات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ سوشیالوجی کے تحت طبقات۔ جنس۔ خاندانی معاملات۔ معاشرے۔ سماجی اداروں اور سماجی تعلقات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ سیاسیات کے تحت اجارہ داری، بدعنوانی، انقلاب، سیاسی نظام اور سیاسی رویوں و سرگرمیوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ ثقافتی علوم کے تحت ثقافت بمقابلہ سائنس مختلف ثقافتوں کا باہمی میل، گلوبلائزیشن، لسانی اور مذہبی پہلوؤں کا مطالعہ، تاریخ کے تحت ماضی اور حال کا مطالعہ، ماضی کے واقعات اور ان کے انسانی معاشروں پر اثرات کا مطالعہ اور اقتصادیات کے تحت لوگوں کا اقتصادی نظام کے ساتھ تعامل، خدمات اور سامان کی پیداوار، تقسیم اور خرچ کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ ان شعبوں سے اکثر انسانی حالت، سماجی، ثقافتی اور سیاسی اصولوں اور افراد و معاشروں پر تکنیکی و سائنسی مضمرات کے بارے میں جاننے اور قیاس کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

یہاں مخصوص حالات سے مراد وہ غیر معمولی یا مستقبل کے منظر نامے ہوتے ہیں جن میں کہانی لکھی جاتی ہے۔ یہ حالات عام طور پر مستقبل کے معاشرتی ڈھانچے یا جنبی دنیا اور سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی کے حوالے سے

ہوتے ہیں۔ مخصوص حالات سے مراد دنیا کے کسی مخصوص علاقے کے حالات بھی شامل ہیں۔ دنیا میں ہر جگہ وقت ایک جیسا نہیں ہو سکتا۔ دنیا کی تمام تہذیبیں اور قومیں ایک ہی وقت میں ایک جیسے حالات میں نہیں جی رہی ہوتیں۔ کیوں کہ زمینی، ثقافتی، معاشی اور تکنیکی حالات تمام جگہوں پر ایک جیسے نہیں ہوتے۔ تیسری دنیا کی بیشتر قومیں آج بھی ترقی یافتہ دنیا کی نسبت بہت پیچھے ہیں۔ کیا پاکستان یا ہمارے پڑوسی ملک ہندوستان دیہاتی اور شہری علاقوں کے حالات ایک جیسے ہیں۔ بالکل بھی نہیں۔ اسی طرح دنیا میں بھی تمام تہذیبیں علوم و فنون اور سائنس و ٹیکنالوجی میں یکساں نہیں ہیں۔ علوم و فنون اور سائنس و ٹیکنالوجی میں پسماندہ رہ جانے والی تہذیبیں معاصر ترقی یافتہ تہذیبوں کے ساتھ نہیں جڑ سکتیں اور نہ ہی مقابلہ کر سکتی ہیں۔ لیکن آج کے عالمی میڈیا اور معاشی نظام، گلوبلائزیشن اور صارفیت کی وجہ سے ان پسماندہ تہذیبوں کو ترقی یافتہ تہذیبوں سے جڑنا پڑتا ہے۔ اس جوڑ کی وجہ سے پسماندہ اقوام یا تہذیبیں مسائل کا شکار ہوتی ہیں۔

یہ حالات مصنفین کو معاشرتی، نفسیاتی، سیاسی، ثقافتی اور اخلاقی مسائل کو منفرد انداز میں بیان کرنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ ان مخصوص حالات میں مستقبل کے معاشرتی ڈھانچے، ماحولیات کی تبدیلی، خلائی اسفار، اجنبی مخلوقات اور سائنسی تجربات اور ان کے نتائج وغیرہ شامل ہیں۔

سافٹ سائنس فکشن معاشرتی اصولوں کی پیچیدگیوں اور انسانی فطرت کو قیاس آرائی کے تناظر میں دریافت کرنے اور ان پر تنقید کرنے کے لئے پلیٹ فارم مہیا کرتی ہے۔ سافٹ سائنس فکشن ٹیکنالوجی اور سائنس کے اثرات کو براہ راست تفصیل سے بیان کرنے کی بجائے ان کے سماجی، جذباتی اور نفسیاتی اثرات کو زیادہ نمایاں کرتی ہے۔

الف: معاشرتی و ثقافتی مسائل کی عکاسی

اس دنیا میں موجود تمام معاشروں کا سب سے بڑا اور اہم مسئلہ انسانوں میں درجہ بندی یا غیر مساواتی نظام ہے جو سب سے زیادہ مسائل پیدا کرتا ہے۔ یہ مسئلہ آج سے نہیں عرصہ دراز سے چلا آ رہا ہے۔ لکھنے اور احتجاج کرنے والے ہر وقت اس مسئلے پر اپنی آواز بلند کرتے رہے ہیں۔

"در اصل سالار برادری کی منشی گیری ہم لوگ آبائی طور پر کرتے چلے آئے ہیں۔ دادا مرحوم اور پردادا مرحوم بھی سالار بزرگوں یعنی علی الترتیب نور الہی سالار اور قائم دین سالار کے منشی رہ چکے تھے۔ منشی گیری کا یہ سلسلہ ہمیں بتایا جاتا ہے نسل در نسل ایک صدی کے شروع تک جاتا تھا۔" (۱)

مرزا اطہر بیگ اپنے ناول کی ابتدا میں ہی یہ بات بتانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہمارے معاشرے میں ایک طبقاتی نظام موجود ہے۔ اعلیٰ طبقہ طویل عرصہ سے مسلط ہے اور کمزور طبقہ عرصہ دراز سے ترقی کرنے سے قاصر ہے اور اعلیٰ طبقہ کا غلام ہے۔ کسی بھی معاشرے میں طبقاتی نظام اس معاشرے کے لئے ناسور کی حیثیت رکھتا ہے۔ معاشرے میں اس طبقاتی نظام کی وجہ سے بہت سے مسائل اور خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ آج کے اس ترقی یافتہ دور میں کئی مہذب معاشروں میں بھی یہ طبقاتی نظام موجود ہے۔ امریکہ جیسے ترقی یافتہ اور مہذب معاشرے میں بھی سیاہ فام اور سفید فام جیسے طبقات موجود ہیں۔ ہمارے پڑوسی ملک میں ذات پات کا نظام موجود ہے جو کہ ان کے مذہب سے منسلک ہے۔ اس ذات پات کے نظام کے تحت ہندو معاشرے میں اوپر تلے چار طبقات موجود ہیں۔

ہر انسان اس دنیا میں آزاد پیدا ہوتا ہے اور کوئی پیدائشی غلام یا کم ذات والا نہیں ہوتا۔ تمام انسانوں کی تخلیق ایک جیسی ہے۔ اس دنیا میں ہم انسانوں نے معاشی اور نسب کی بنیاد پر اونچ نیچ قائم کر لی ہے۔ اس دنیا کے معاشرتی نظام کی یہ بہت بڑی خرابی ہے کہ انسان کو اس کی دولت اور نسل کی بنیاد پر اس دنیا میں مقام دیا جاتا ہے۔ کہیں پیشہ انسان کی اچھی پہچان بن جاتا ہے اور کہیں یہی پیشہ انسان کی تکلیف دہ پہچان بن جاتا ہے۔

مشرف عالم ذوقی اپنے ناول پو کے مان کی دنیا میں ہندوستانی معاشرے میں موجود طبقاتی نظام کو بیان کرتے ہیں۔ نچلے طبقے کے مسائل اور درپیش مشکلات کو بیان کرتے ہیں۔

"جے چنگی نے آگے بڑھنے کے راستے میں ان باتوں کو بہت معمولی طور پر لیا تھا۔ دلت۔ یہ ایک شبہ، شبہ نہیں۔ آندولن تھا۔ آزادی کے اتنے برس بعد بھی نام جانتے ہی سامنے والے کی آنکھوں میں سانپ جیسی گہری چمک پیدا ہوتی۔ یہ چمک، اس

ایک سیکنڈ۔ اسکے بدن سے سارا لباس اتار لیتی۔ وہ اس طرح دلت بن کر نہیں جینا چاہتا تھا" (۲)

معاشرے میں طبقاتی نظام کے تحت بہت سی مشکلات جنم لیتی ہیں۔ ان طبقاتی امتیازات نے معاشرہ میں نفرت، کینہ پروری، دکھ، تکلیف اور خون ریزی کو فروغ ملتا ہے۔ ایسے معاشرتی نظام کی وجہ سے دنیا میں کئی اہم واقعات رونما ہوئے۔ اٹھارہویں صدی میں فرانس میں آنے والا انقلاب اور بیسویں صدی میں روس میں آنے والا انقلاب اسی معاشرتی نظام کا رد عمل اور اس کو ختم کرنے کی کوشش تھے۔ اسی نظام کے تحت پیدا ہونے والے مسائل میں معاشرتی ناہمواری، تعلیم میں نابرابری، معاشی ناہمواری، سماجی تقسیم، سیاسی، ثقافتی اور نفسیاتی اثرات شامل ہیں۔

طبقاتی نظام کی وجہ سے سماج میں معاشرتی ناہمواری پیدا ہوتی ہے کیونکہ امیر یا اعلیٰ طبقے کو بہت وسائل مل رہے ہوتے ہیں اسی جگہ پر غریب یا نچلے طبقے کو کم مواقع میسر آتے ہیں۔ غریب طبقے کے لوگوں کو زیادہ مسائل اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ صفر سے ایک تک میں مرزا اطہر بیگ اس مسئلہ کے متعلق بیان کرتے ہیں۔

"والد صاحب کے پاس کے بیٹے فیضان سالار نے بھی میرے ساتھ ہی میٹرک کیا تھا۔ فیضان کی میرے ساتھ دوستی تھی۔ لیکن یہ ایسی دوستی تھی کہ اس میں ہر وقت تمہارا باپ میرے باپ کا ملازم ہے اس لئے ----- کی ناقابل تردید مگر ادھوری سچائی کہیں آس پاس خالی جگہیں پر کرو کے سوال کی طرح گھومتی پھرتی رہتی تھی۔" (۳)

معاشرتی ناہمواری کا مسئلہ دنیا بھر میں مختلف شکلوں میں موجود ہے جیسے تعلیم، صحت اور روزگار کے مواقع وغیرہ ایک ایسا معاشرہ جہاں وسائل اور دولت کی تقسیم غیر منصفانہ ہو وہاں حقیقی انصاف اور برابری ممکن نہیں۔ دنیا میں عالمی انسانی حقوق کی تنظیمیں مثال کے طور پر اقوام متحدہ کی حقوق انسانی کی تنظیم (OHCHR) انسانی یا معاشرتی ناہمواریوں کو ختم کرنے کے لئے کوشاں ہے۔ یہ تنظیمیں انسانی حقوق کے لئے اپنے اعلا میے جاری کرتی ہیں۔ جن میں اکثر اس بات کے متعلق شدت سے کہا جاتا ہے کہ تمام افراد کو ان کی نسل، جنس، مذہب، قومیت یا سماجی حیثیت کے بغیر یکساں حقوق اور مواقع ملنے چاہیں۔ اقوام متحدہ کا منشور اور انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ (Universal Declaration of Human

رکھتے ہیں اپنے طبقے یا نسل کی وجہ سے امتیازی سلوک کا سامنا کرتے ہیں۔ جوان کے لئے نفسیاتی اور سماجی مسائل پیدا کرتا ہے۔

طبقاتی نظام تعلیم یا تعلیم میں نابرابری بھی طبقاتی نظام کی پیداوار ہے یہ ایک اہم مسئلہ ہے جو معاشرتی ناہمواریوں کو مزید بڑھاتا ہے۔ طبقاتی نظام کی وجہ سے کمزور طبقے کو معیاری تعلیم تک رسائی نہیں ملتی۔ کمزور طبقے کے بچوں کو ناقص تعلیمی سہولیات کم معیاری اسکول اور ناکافی وسائل میسر آتے ہیں۔ جبکہ امیر طبقے کے بچوں کے لئے بہترین جدید تعلیمی سہولیات، اعلیٰ معیاری نجی اسکول اور وافر وسائل مہیا ہوتے ہیں۔ مصنف صفر سے ایک تک میں طبقاتی نظام تعلیم کے متعلق بیان کرتے ہیں۔

"اب فیضان کا آپیکسین کالج میں داخلہ تو ہر کسی کی سمجھ میں آسکتا ہے کہ یہ ادارہ ڈیڑھ صدی سے اعلیٰ جاگیرداروں کی ہر نئی نسل کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کا اہتمام کرتا آ رہا ہے۔" (۵)

"فیضان سالار ہسٹری کا لیکچر کیسے بن گیا۔ بنیادی طور پر ویسے ہی جیسے میں کمپیوٹر پروگرامر بن گیا یعنی تعلیمی عمل کے ذریعے۔ اگرچہ اس کے تعلیمی عمل کا آغاز مال روڈ پر واقع ایک پر شکوہ ادارے سے ہوا جبکہ میرا بنیادی تعلیمی ادارہ واشنگٹن کمپیوٹر کالج ساندہ کلاں اور بند روڈ کے درمیان ایک تین کمروں کے مکان میں واقع تھا۔" (۶)

آج کے ترقی یافتہ دور میں جدید تعلیم کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا علم کی بدولت خصوصاً سائنس کے علم اور ٹیکنالوجی میں ترقی کی بدولت انسان خلاء اور چاند تک کا سفر کر چکا ہے۔ ٹیکنالوجی کی بدولت انسان کا معیار زندگی بھی بلند ہوا ہے۔ سائنس ایک مشاہداتی اور ٹھوس تجرباتی علم ہے۔ سائنس کا علم حاصل کرنے کے لئے تجربات کے عمل سے گزرنا ضروری ہے۔ اعلیٰ طبقے کے لیے موجود اعلیٰ نجی تعلیمی ادارے یہ تمام سہولیات مہیا کرتے ہیں جبکہ کمزور طبقے کے لیے موجود تعلیمی ادارے ایسی تمام سہولیات سے عاری ہوتے ہیں۔ بلکہ بنیادی سہولیات سے بھی محروم ہوتے ہیں۔ اس غیر متوازن صورتحال کا نتیجہ امیر اور غریب کے بچوں کے درمیان

تعلیمی فرق میں اضافہ ہے۔ اس اضافے کی وجہ سے معاشرتی اور اقتصادی ترقی پر بھی فرق پڑتا ہے۔ سب سے بڑھ کر اس طرح کا تعلیمی نظام معاشرتی انصاف کے اصولوں کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ پوکے مان کی دنیا میں مصنف دلت طبقے کے متعلق بیان کرتے ہیں۔

"پاٹھ شالا کے ماسٹر جی نے بھی بتایا۔۔۔ اب دیکھ چمار کے لڑکے بھی پڑھنے لگے۔۔۔۔۔
دیش کا کیا ہوگا۔۔۔ ایک بابو جگ جیون رام کیا بن گئے۔۔۔۔۔ سارے چمار جگ
جیون رام بننے لگے۔" (۷)

انسان فطری طور پر ایک سماجی مخلوق ہے اور اجتماعی زندگی گزارنے کی خواہش رکھتا ہے۔ یہ خواہش افراد کو ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات استوار کرنے، معاشرتی ادارے قائم کرنے اور اجتماعی مسائل حل کرنے کے لئے تعاون کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ تاہم اجتماعی زندگی میں مختلف ضروریات، خیالات اور مفادات کے تصادم کی صورت میں مسائل بھی سامنے آرہے ہیں۔

انسانی گروہ کا کسی مخصوص علاقے میں مشترکہ طور پر ایک خاص ماحول کے اندر رسوم و رواج، عقائد، ضروریات، زبان، لباس اور اقدار کے حوالے زندگی گزارنا ثقافت کہلاتا ہے۔ ثقافت ایک معاشرتی نظام ہے، اس نظام میں شامل اقدار رویے اور روایات نسل در نسل منتقل ہوتی ہیں۔ کسی بھی معاشرے کی ثقافت وہاں کی تہذیب ہی کے نتیجے میں پروان چڑھتی ہے۔

یعنی کسی بھی معاشرے کی ثقافت میں اُس علاقے کے لوگوں کے مذہب اور علاقائی ماحول کا بہت گہرا اثر ہوتا ہے۔ ثقافت کسی بھی معاشرے یا قوم کی مجموعی زندگی اور طرز عمل کی عکاس ہوتی ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ جوں جوں ماحول میں تبدیلیاں واقع ہوتی رہتی ہیں تو ان کے ثقافت پر گہرے اثرات پڑتے ہیں۔ ان تبدیلیوں میں قدرتی، سماجی، معاشی اور تکنیکی تبدیلیاں شامل ہیں جو براہ راست معاشرتی رویوں، روایات اور اقدار کو تبدیل کرنے میں اپنا اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

ان تبدیلیوں کے مجموعی اثرات کی وجہ سے ثقافت مستقل طور پر ارتقا پذیر رہتی ہے۔ ہر نئی آنے والی نسل اپنے سے پرانی نسل کی ثقافتی روایات کو جدید دور کی ضرورتوں کے مطابق تبدیل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ جس کی وجہ سے ثقافت میں پہلے سے موجود کئی اقدار اور روایات کا خاتمہ یا تبدیلی ہوتی ہے۔ جو بعض دفعہ تو معاشرے کے لیے اچھی ثابت ہوتی ہے، اور بعض دفعہ معاشرے میں کسی ثقافتی مسئلے کی صورت میں سامنے آتی ہے۔

کسی بھی معاشرے میں بسنے والے لوگوں کے مذہب کا بھی ثقافت پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ لہذا مختلف معاشروں میں مذہب کی بنیاد پر ثقافت میں فرق موجود ہوتا ہے۔ جب یہ معاشرے یا اس میں بسنے والے لوگ ایک دوسرے کے قریب آتے ہیں اور ان میں میل جول بڑھتا ہے تو اس وقت بھی کئی ثقافتی مسائل جنم لیتے ہیں۔ بنیادی طور پر ثقافتی مسائل کہا بھی اُن مشکلات، تنازعات یا تردید کو جاتا ہے جو مختلف ثقافتوں کے لوگوں کے درمیان پائے جاتے ہیں۔ یہ مسائل عام طور پر کسی بھی ثقافت کے تحت اقدار و روایات، زبان رسوم و رواج میں فرق اور مذہبی عقائد و سماجی رویوں کے اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

ذوقی نے مستقبل کی ہندوستانی کمیونٹی کی عکاسی کرتے ہوئے مشرقی تہذیب و ثقافت پر مغربی تہذیب و ثقافت کے اثرات کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ مغربی تہذیب کی مشرقی تہذیب و ثقافت پر جاری یلغار کو بڑی شدت سے بیان کرتے ہیں۔

"آنکھیں بند کرتے ہی ایک چمکیلی سی دھند آ جاتی ہے۔ دھند کے اُس پار سے کوئی مجھ پر

حملہ کرنا چاہتا ہے۔ مگر آنکھیں بند ہیں۔ منظروں کے آنے کا راستہ بند ہے" (۸)

ناول کی ابتداء بھی مشرقی تہذیب پر مغربی تہذیب کے چھائے بادلوں کے بیان سے ہوتی ہے۔ مصنف نے اس اوپر کے اقتباس میں پہلے فقرے کو بطور ایک استعارہ استعمال کیا ہے۔ یہ فقرہ ناول میں متعدد بار استعمال ہوا ہے۔ یہاں دھند سے مراد وہ مشرقی تہذیب و ثقافت ہے جو تبدیل ہو رہی ہے۔ اور اُس پار سے حملے سے مراد وہ مغربی تہذیب جو اس وقت مشرقی تہذیب پر حملہ آور ہے۔

سنیل کمار رائے جس نے بچپن مشرقی تہذیب سے لبریز دیہاتی ماحول میں گزارتے ہوئے محنت کر کے حج بنا۔ اُس کے بچے آج کے شہری ماحول میں جوان ہوئے اور اپنی مشرقی تہذیب اور ثقافت سے ناواقف تھے یا واقف

ہونا ہی نہیں چاہتے تھے۔ جب کبھی والد اپنے بچوں کو اپنی ثقافت اور تہذیب کے متعلق بتانے کے لیے اپنا ماضی اور بچپن بیان کرتا تو جواب کچھ یوں ملتا۔

"آپ کے وقت میں یہ سائبر کیفے تھا؟----- نہیں

ڈیڈ کے وقت میں تو ٹی وی بھی نہیں تھا۔

کمپیوٹر-----؟

فریج----- ٹی وی تو-----

کچھ بھی نہیں تھا۔۔۔؟

کلب۔۔۔ ہیلتھ کلب۔۔۔۔۔ ڈسکو تھے۔۔۔۔۔؟

تب ان کے بارے میں سوچنا بھی محال تھا۔ شاید تصور بھی پیدا نہیں ہوا تھا۔

تب۔۔۔۔۔ تم لوگ جیتے کیسے تھے۔۔۔۔۔؟ (۹)

مشرف عالم ذوقی یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ مستقبل قریب میں ان سب چیزوں کے بغیر زندگی کا تصور مشکل ہو جائے گا۔ سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی کی وجہ سے دنیا کی تہذیبیں ایک دوسرے کے قریب آرہی ہیں۔ جسے آج گلوبلائزیشن کا نام دیا جاتا ہے۔ ان ثقافتوں اور تہذیبوں کے قریب آنے اور تمام دنیا کے افراد کا آپس میں سماجی رابطہ قائم ہونے کی وجہ سے ایک نئی عالمی ثقافت اور تہذیب جنم لے چکی ہے۔

عالمی ثقافت میں وہ تمام مشترکہ ثقافتی عناصر شامل ہیں جو تقریباً دنیا کے تمام حصوں میں رواج پائے جاتے ہیں۔ جیسے زبان، فیشن، موسیقی، میڈیا، اور طرز زندگی وغیرہ۔

ان مندرجہ بالا درج مثالوں میں سے اگر زبان کو دیکھا جائے تو انگریزی ایک ایسی زبان ہے جو دنیا بھر میں سب سے زیادہ استعمال ہو رہی ہے۔ یہ زبان دنیا بھر میں بین الاقوامی سطح پر تعلیم، سائنس، ٹیکنالوجی اور کاروبار میں

اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ اسی طرح اگر فیشن کو دیکھا جائے تو پوری دنیا میں مغربی فیشن اور طرز زندگی کے مختلف عناصر جیسے برینڈڈ جوتے کپڑے اور دیگر ضروریات کی اشیاء بہت مقبول ہو چکی ہیں۔ مغربی دنیا کا لباس چاہے کتنا مختصر ہی کیوں نہ ہو ہماری تہذیب اور ثقافت کے منافی کیوں نہ ہو لیکن عالمی ثقافت اور تہذیب کا حصہ ہونے کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں بھی مقبولیت حاصل کر رہا ہے۔ اسی عالمی ثقافت کے ہمارے معاشرے پر اثرات کو مشرق عالم ذوقی اپنے ناول میں بیان کرتے ہیں۔

"میری نظر نے ایک بار پھر اُس کا تعاقب کرنا چاہا۔ مگر ہر بار بیٹی کی جگہ جسم آڑے آتا رہا۔ وہی تنگ کپڑوں میں سمٹا ہوا، ایک کھلا جسم جسے دیکھتے ہوئے باپ اپنی ہی نظر میں نہکا ہو جاتا ہے۔" (۱۰)

آج کے ہمارے مشرقی معاشروں میں بھی نوجوان نسل مغربی تہذیب و ثقافت کو بہت تیزی سے اپناتے جا رہے ہیں اور ان کے برے عکس کی وجہ متاثر بھی ہوتے جا رہے ہیں۔ آج کی نوجوان نسل اپنی مشرقی اقدار اور روایات کو فرسودہ سمجھنے لگے ہیں۔ مشرقی اقدار کے تحت سب سے زیادہ نظر انداز اپنی ہی ذات کو کیا جاتا ہے۔ اپنی چاہت سے زیادہ والدین کی مرضی اور بہن بھائی کی فکر ہوتی ہے۔

ان خاندانی رشتوں میں لحاظ اور شرم و حیا کا پردہ موجود ہوتا ہے۔ جبکہ مغربی تہذیب ان رشتوں میں لحاظ اور شرم و حیا سے محروم ہے۔

"میری بیٹی اگر چھوٹے کپڑے پہنتی ہے تو پہنا کرے۔۔۔ اُس کے دوست اُس کے کمرے میں بے کھٹک داخل ہو کر دروازہ بند کر لیتے ہوں۔۔۔ تو بند کر لیا کریں۔۔۔ تن اپنی گرل فرینڈ کو آزادانہ سب کے سامنے چوم سکتا ہے تو۔۔۔ بڑے بننے کے طفیل میں آنکھوں کا بند رکھنا ضروری ہے۔ لیکن سنیل کمار رائے سے یہی نہ ہو سکا۔۔۔ وہ گوپال گنج کے چھوٹے آدمی ہی بنے رہے۔۔۔ شاید۔۔۔ پرانے سنکاروں سے پلٹے ہوئے اور بچے اڑتے رہے۔۔۔" (۱۱)

مشرعاً عالم ذوق اپنے اس ناول میں مغربی تہذیب کو اپنی نوجوان نسل کے متعلق بیان کرتے ہیں۔ مشرقی تہذیب میں موجود شرم و حیا اور اپنوں کا لحاظ ختم ہوتا جا رہا ہے۔ صدیوں سے موجود تہذیب و ثقافت کی جگہ عالمی تہذیب و ثقافت لے رہی ہے۔ جسکی وجہ سے بہت سے معاشرتی و خاندانی مسائل جنم لے رہے ہیں۔

بنیادی طور پر پاکستانی معاشرے کی ثقافت کی بنیاد اسلام ہے۔ پاکستان کے قیام کے وقت بلند ہونیوالا نعرہ "پاکستان کا مطلب کیا لا اللہ الا اللہ" اس بات کا ثبوت ہے کہ پاکستان کے قیام کا مقصد اول اسلامی اصولوں پر مبنی ایک آزاد ریاست قائم کرنا تھا۔ لہذا پاکستان میں بسنے والی اکثریت یعنی مسلمانوں کی معاشرتی زندگی رسم و رواج، اخلاقیات اور تہذیب میں اسلام ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ پاکستان بھر میں مختلف مذہبی تہوار جیسے عیدین وغیرہ منائے جاتے ہیں۔ پاکستان میں معاشرتی زندگی میں اسلامی اصولوں کی پاسداری کو اہمیت حاصل ہے۔ کسی بھی ثقافت میں تاریخ کا بھی گہرا اثر ہوتا ہے۔ جیسے پاکستان کے شمالی علاقہ جات میں موجود قبلاشی قبیلے کی ثقافت کا تعلق تاریخ سے ہے۔ اس قبیلے کی ثقافت صدیوں پرانی ہے جو انہیں اپنے آباؤ اجداد سے وراثت میں ملی ہے۔ ان کی اس ثقافت کا پاکستان میں ثانی نہیں ہے۔ اسی طرح پاکستان میں موجود نیم جاگیر دارانہ نظام بھی ہمیں مغل اور برطانوی راج سے وراثت میں ملا ہے۔ پاکستانی ثقافت پر بھی تاریخ کا گہرا اثر ہے۔ جیسے وادی سندھ کی تہذیب کا اثر مغل سلطنت اور برطانوی راج کا اثر۔ برصغیر میں تبلیغ کی غرض سے آنیوالے علماء و مشائخ کی تعلیم و تربیت اور خانقاہوں کا اثر شامل ہے۔ پاکستانی ثقافت میں مذہب اسلام، تاریخی ورثہ علاقائی و نسلی تنوع و خاندانی اقدار اور زبان و ادب کا واضح کردار موجود ہے۔

اگر پہلے مغل سلطنت اور برطانوی راج کی وراثت کا جائزہ لیا جائے تو ہمارے معاشرے میں موجود نوابی اور جاگیر دارانہ نظام مغل دور حکومت سے لے کر برطانوی راج سے ہوتا ہوا قائم ہے۔ پاکستان میں یہ نوابی اور جاگیر دارانہ نظام آج بھی موجود ہے۔ یہ نظام برطانوی دور حکومت سے نصف کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ اسکی وجہ برطانوی حکومت کے ماتحت اس نظام کی خود مختاری مغل دور حکومت کی نسبت آدھی ہو گئی۔ یہ نظام نیم جاگیر دارانہ نظام کی حیثیت سے برطانوی دور حکومت میں قائم رہا۔ جاگیر دارانہ نظام کے صدیوں سے قائم ہونے

کی وجہ سے اسکی جڑیں کافی مضبوط ہیں۔ جسکی وجہ سے پاکستان بننے کے باوجود یہ نیم جاگیردارانہ نظام قائم رہا۔ اس نظام کے روح رواں افراد کے اثر و رسوخ میں کمی نہ آسکی۔ جسکی بدوشامیت اس نظام کے افراد کی اجارہ داری ہر لحاظ سے اس خطے میں قائم رہی۔ آج کے جدید دور میں بھی یہ نظام موجود ہے۔ جو کہ اس خطے کے معاشرتی نظام اور تہذیب کی ترقی میں ایک روکاؤ ہے۔ مرزا اطہر بیگ اپنے ناول صفر سے ایک تک میں اسی نیم جاگیردارانہ نظام کو نشانہ بناتے ہیں اس نظام کے لیے "سپر سالار نیٹ ورک" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔

"سالار اصل میں ایک برادری نہیں ایک نیٹ ورک ہے جس کی نوعیت بنیادی طور پر ایک عظیم قبضہ گروپ کی ہے۔ اور یہ نیٹ ورک ایسے دوسرے قبضہ گروپوں کے نیٹ ورکس سے جڑ کر ایک سپر سالار نیٹ ورک بناتا ہے۔" (۱۲)

اس ناول کا مرکزی کردار ذکاء اللہ عرف ذکی عطاء اللہ منشی کا بیٹا ہے۔ عطاء اللہ سالار برادری کی ایک شاخ کے نمائندہ حیات محمد سالار کے منشی ہیں۔ دراصل یہاں سالار برادری سے مراد جاگیرداروں کا نیٹ ورک ہے۔ جس میں یہ تمام جاگیردار ایک دوسرے کے ساتھ جڑ کر اپنے مفادات کا تحفظ کرتے ہیں اور اپنے ماتحت کام کرنیوالوں اور نچلے طبقے کا استحصال کرتے ہیں۔

اپنے اس ناول میں مرزا صاحب اس نیم جاگیردارانہ نظام کے چہرے سے نقاب اتارتے ہیں۔ اگر متوسط طبقے سے کوئی ان کے خلاف آواز اٹھانے کی کوشش کرتا ہے، تو یہ اُس کو کچل کر اُس آواز کو دبا دیتے ہیں۔ یہ وراثتی طور پر ملنے والا نظام اس لیے بھی مضبوط ہے کہ ان کے افراد ہر شعبہ میں اعلیٰ عہدوں پر موجود ہیں جو اس نظام کے لیے اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

"ذلیخا کا باپ اب پچیس سال پہلے والا کوئی نا تجربہ کار دل پھینک فارن سروس بیورو کریٹ نہیں تھا۔ بلکہ طویل فارن سروس کے دوران بیورو کریٹ قبضہ گروپ کا بہت اہم پادار بننے کے بعد چند برسوں سے وہ ایک ملٹی نیشنل فارماسوٹیکل کمپنی کے کسی اہم انتظامی عہدے پر فائز تھا۔" (۱۳)

اس خطے سے برطانوی راج ختم ہوئے ایک عرصہ گزرنے کے ساتھ سائنسی اور معاشرتی علوم میں انسان ترقی کرنے کی وجہ سے حالیہ برسوں میں جاگیر دارانہ نظام کو کچھ چیلنجز کا سامنا ہے نوجوان نسل میں تعلیم اور شعور نے اس نظام کے خلاف مزاحمت کو جنم دیا ہے۔ لیکن ابھی یہ نظام بڑی حد تک قائم ہے۔

تاریخ کے اوراق سے اگر مذہبی ثقافت کا جائزہ لیا جائے تو اسلامی تاریخ میں ابتدائی دور سے تصوف کا آغاز ہوا۔ یہ ایسی اسلامی تعلیمات ہیں جس میں توحید، تقویٰ، محبت اور نفس کی پاکیزگی پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کے علاقوں میں اسلام کے پھیلاؤ میں صوفیا کرام کا بڑا اہم رول ہے۔ مشہور صوفی بزرگوں جیسے داتا گنج بخش ہجویری، خواجہ معین الدین چشتی، بابا بلھے شاہ، اور شہباز قلندر جیسی شخصیات نے لوگوں کو امن و محبت اور اسلام کا درس دیا۔ برصغیر میں ان صوفی بزرگوں نے اپنی روحانی استعداد کے ذریعے لوگوں کی رہنمائی کی۔ رہنمائی حاصل کرنے والے یہ افراد جو کہ مرید کہلاتے تھے۔ اپنے پیر یعنی صوفی بزرگ کی بیعت کرتے اس کی رہنمائی کو قبول کرتے۔ پیری مریدی کے اس عمل میں خانقاہیں اہم جزو تھیں۔ یہ وہ مقامات تھے جہاں پر صوفی بزرگ اپنے مریدوں کی روحانی و اخلاقی تربیت کرتے تھے۔ برصغیر میں معاشرتی اور ثقافتی زندگی میں پیری مریدی کا اثر آج بھی موجود ہے۔ یہ ایک اسلامی ثقافت تحت اس علاقے میں موجود ہے۔

مرزا صاحب اس اسلامی ثقافت اور اسکے مسائل کے متعلق بھی کہانی میں بیان کرتے ہیں۔ ذکی کا بھائی ثناء اللہ پیسے کمانے کے لیے کئی روپ دھارتا ہے۔ موضع بھائی میں پیری مریدی کر کے خوب پیسے کماتا ہے۔ ثناء اللہ خود کو جعلی پیر کہتا ہے۔

"پڑھا تو چودہ طبق روشن ہو گئے۔ موٹے حروف میں لکھا تھا۔ روحانی ڈیرہ۔ جعلی پیر ثناء اللہ اور اس کے نیچے اور بھی زیادہ موٹے حروف میں لکھا تھا۔ سب سے حقیقی ذات صرف اللہ کی ہے، باقی سب کچھ جعلی ہے۔ ارے بابا میں تو مانتا ہوں میں جعلی پیر ہوں دھوکہ ہوں فراڈ ہوں" (۱۴)

مرزا صاحب اس اسلامی ثقافت میں پیدا شدہ معاشرتی خرابی کی طرف توجہ دلانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ موجودہ معلومات اور ٹیکنالوجی کے ہوتے ہوئے بھی کچھ لوگ مذہبی لحاظ سے کم فہمی کا شکار ہیں۔ لوگوں کی ضعیف العقادی اور کم علمی کی وجہ سے کچھ جعلی پیر، پیری مریدی کو اسلام کی تبلیغ اور روحانی تربیت کے بجائے دولت کمانے اور افراد کے ایک بڑے گرہ کو اپنا تابع بنانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

"آپ کے مرید کہتے ہیں آپ جعلی پیر ہیں۔ میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ جواباً بھائی جان خوب ہنسے اُن کی ہنسی میں عجیب سا فخر یہ پن تھا۔ دیکھو ذکی اُنھوں نے کہا۔ میں نے کسی کو دھوکا نہیں دیا۔ یہ لوگ خود ہیں جو اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں" (۱۵)

اکثر جعلی پیر لوگوں کو بیوقوف بناتے ہیں۔ مذہبی اور روحانی عقیدت کو استعمال کر کے اُن سے ذاتی مفاد حاصل کرتے ہیں۔ پیسے اور قیمتی چیزوں کے عوض لوگوں کے مسائل اور مشکلات حل کرنے کے جھوٹے وعدے کرتے ہیں۔ جسکی وجہ سے لوگوں کے معاشی استحصال کے ساتھ ساتھ مذہب کی ساکھ کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔ اس سے صوفی ازم کے تحت منتقل ہونیوالی اسلامی ثقافت کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ نفسیاتی مسائل کو روحانی یا جناتی بنا کر علاج کے نام پر نفسیاتی حالت کو مزید بگاڑ دیا جاتا ہے۔ خاص طور پر عورتوں کے نفسیاتی اور روحانی علاج کے نام پر اُنکا جسمانی اور جذباتی استحصال ہوتا ہے۔

"بھائی ثناء اللہ کو میں نے روایتی Surprise دیا تھا وہ کچھ اپنے مخصوص کمرے میں (۱) س خصوصی کمرے کی خصوصیات کا ذکر آگے آئے گا) ایک پُر جلال تخت پوش پر جمال کے ساتھ بیٹھے تھے۔ کہ جب میں خدام باادب کو پرے دھکیلتا اندر داخل ہو گیا۔ چند خواتین قدم بوسی میں مشغول تھیں۔" (۱۶)

جس طرح ثناء اللہ خود کو جعلی پیر کہہ کر اپنی جعل سازی اور جعلی پیر ہونے کو چھپاتا ہے۔ اسی طرح اس معاشرے میں کئی جعلی پیر مختلف طریقوں سے اپنے جعلی پن کو چھپا کر لوگوں اور خاص طور پر عورتوں کو اپنے جعل میں پھانتے ہیں۔

ب: نفسیاتی و سیاسی اور اخلاقی مسائل کی عکاسی

نفسیات معاشرتی علوم کی ایسی شاخ ہے، جسکا براہ راست تعلق ہماری روزمرہ زندگی سے ہے۔ نفسیات کے متعلق عام طور سمجھا جاتا ہے کہ یہ علم کی ایک ایسی شاخ ہے جو ایسے افراد کا علاج کرتی ہے، جو دماغی لحاظ سے کمزور یا بیمار ہوں۔ حالانکہ معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے۔ نفسیات علم کی وہ وسیع شاخ ہے جس سے نہ صرف علاج اور انسانی عادات اور اطوار کے بارے میں جانا جاتا ہے۔ اس علم کی مدد سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ لوگ کیسے سوچتے، محسوس کرتے اور برتاؤ کرتے ہیں۔

Psychology is the scientific study of mind and behavior. (۱۷)

نفسیات رویے اور دماغ کا سائنسی مطالعہ ہے۔

نفسیات اور ادب دونوں انسانی تجربات، جذبات اور رویوں کے مطالعہ کا اظہار کرتے ہیں۔ یوں ادب اور نفسیات میں گہرا تعلق ہے۔ ادب جہاں انسانی تجربات کی گہرائیوں کو بیان کرتا ہے وہیں نفسیات ان تجربات کی تشریح کرتی ہے۔

سائنس فلشن اور نفسیات کا تعلق گہرا اور دلچسپ ہے۔ سافٹ سائنس فلشن اکثر انسانی نفسیاتی موضوعات کو تخلیقی اور تصوراتی طریقوں سے دریافت کرتی ہے۔ جبکہ نفسیات انسانی رویوں اور ذہن کی تعلیم کے لیے اہم کردار ادا کرتی ہے۔ نفسیات اور سائنس فلشن کے درمیان یہ تعلق ہمیں انسانی ذہن اور معاشرت کا گہرا اور نیا شعور فراہم کرتا ہے۔

سافٹ سائنس فکشن خاص طور پر انسانی جذبات کے سماجی ڈھانچوں اور نفسیاتی عوامل پر توجہ مرکوز کرتی ہے۔
نفسیات کو سائنس فکشن کی یہ ذیلی قسم ایک تخلیقی اور جذباتی فریم ورک میں پیش کرتی ہے، جس سے انسانی
تجربات اور سماجی تعلق کی گہری تفہیم ممکن ہوتی ہے۔

"یعنی بس تھوڑے سے لمحے جب رات میں ایک میز کے ارد گرد۔۔۔ تھوڑی دیر
کے لیے تم لوگ سمٹ جاتے ہو ایک بیوی ہے۔ ایک بیٹا اور ایک بیٹی اور۔۔۔ تنہائیوں
کا مرثیہ ہوتا ہے۔" (۱۸)

ذوقی مخصوص حالات کے تحت جس نفسیاتی مسئلے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ وہ "تنہائی" کی کیفیت ہے۔ جس
میں فرد کے ارد گرد افراد کی موجودگی کے باوجود اُسے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ دوسروں سے کٹ گیا ہے۔ اُسے
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُسکی زندگی میں کوئی معنی خیز تعلق نہیں رہا۔ جس کے ساتھ وہ اپنے جذبات اور خیالات کا
اظہار کر سکے۔

جن مخصوص حالات کے پس منظر میں مشرف عالم ذوقی نے یہ تصنیف تحریر کی ہے وہ حالات بظاہر فاصلوں کو کم
کرتے نظر آتے ہیں، یا یوں کہیے کہ فاصلوں کو ختم کرنے والے ہیں۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔

ایک ہی جگہ پر رہنے والے لوگ بظاہر تو اکٹھے رہتے ہیں لیکن حقیقت میں اُن کے درمیان گہری خلیج حائل ہے۔
ایسے تعلقات جن میں تعاون اور جذبات کی شدید کمی ہوتی ہے۔ اُن روابط اور اعلیٰ سطحی تعلقات پر غالب آرہے
ہیں، جو جذبات، احساسات اور تعاون سے بھرپور ہوں۔

اس کیفیت کو مصنف جس پیرائے میں بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اُسکی وجوہات ذہنی ہم آہنگی نہ ہونا اور
جنریشن گیپ ہے۔ جن مخصوص حالات یا مستقبل کے بیانیے کے مطابق مصنف کہانی بیان کرنے کی کوشش
کرتے ہیں، اُن میں جنریشن گیپ کے تحت عدم تفہیم اور خیالات و اقدار میں فرق ہی ذہنی ہم آہنگی میں کمی کا
باعث بنتے ہیں۔ اسی ہم آہنگی کے نہ ہونے کی وجہ سے اشخاص کے مابین عدم برداشت و تفہیم اور جذباتی روابط

میں کمی واقع ہوتی ہے۔ جو مزید کئی مسائل کی وجہ بنتا ہے۔ اسی وجہ سے اشخاص کے خیالات اور اقدار کا مختلف ہونا بھی ہو سکتا ہے۔

"یہ ہے جنریشن گیپ آپکے اور ہمارے بیچ کا ڈیڈ اونلی جنریشن گیپ، آپ صرف ہماری جنریشن میں بیکٹریا ڈھونڈو گے۔ غلط باتوں کا بیکٹریا پو آر سو کنزرویٹو اور سو اولڈ فیشنڈ" (۱۹)

ویسے تو جنریشن گیپ ہر دور میں رہا ہے، پر نئی آنیوالی نسل، پچھلی نسل سے زیادہ ترقی یافتہ ہے، لیکن اگر اس فرق کی مقدار زیادہ ہو جائے تو عدم تفہیم کے مسائل جنم لیتے ہیں۔ جو مزید آگے جا کر عدم برداشت اور جذباتی روابط میں کمی کی وجہ سے نفسیاتی مسائل کا باعث بنتے ہیں۔ افراد میں پیدا ہونے والے نفسیاتی مسائل کی ایک بہت بڑی وجہ خوف اور تشدد بھی ہے۔ خوف اور تشدد کی وجہ سے پیدا ہونیوالی نفسیاتی کیفیت کو (PTSD, POST TRAUMATIC STRESS DISORDER) کہتے ہیں۔

“Post-traumatic Stress Disorder is a mental and behavioral disorder that develops from experiencing a traumatic event, such as sexual assault, warfare, traffic collisions, child abuse, domestic violence or other threats on a person’s life or wellbeing.” (۲۰)

PTSD ایک ذہنی اور رویے کی خرابی ہے، جو کسی تکلیف دہ واقعے کا سامنا کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ جیسے کہ جنسی حملہ، جنگ، ٹریفک کے تصادم، بچوں کے ساتھ بدسلوکی، گھریلو تشدد یا کسی شخص کی زندگی یا صحت کو لاحق دیگر خطرات ہونا۔

خوف اور تشدد کی وجہ سے پیدا ہونیوالی اس نفسیاتی کیفیت کو مرزا اطہر بیگ اپنے ناول میں بہت عمدگی سے بیان کرتے ہیں۔

خوف کی ایک کیفیت ایسی بھی ہے جو اعلیٰ طبقے میں بظاہر طاقتور اور خود اعتماد نظر آنے کے باوجود موجود ہے۔ یہ خوف اُس کمزور طبقے کی طرف سے ہوتا ہے جس پر اعلیٰ طبقات کی اجارہ داری ہوتی ہے۔ اپنی اسی اجارہ داری کو قائم رکھنے اور اجارہ داری ختم ہونے کے خوف کو ختم کرنے کے لیے محروم اور کمزور طبقات کو دبا کر رکھنے کے ساتھ ساتھ اُن پر ظلم روا رکھا جاتا ہے اور اُن کا تمسخر اڑایا جاتا ہے تاکہ اُن کو کمتری کا احساس دلا کر ذہنی طور پر غلام بنایا جائے۔ جسکی وجہ سے محروم اور کمزور طبقہ غلامی کے پٹے کو اپنی تقدیر سمجھ کر اپنے حقوق کے لیے آواز اٹھانا بھی بھول جاتا ہے۔ کمزور اور محروم طبقے میں پیدا ہونیوالی یہ سوچ امیر طبقے کے استبدادی ڈھانچے کو تقویت بخشتی ہے۔ امیر طبقے کی نفسیات کے تحت پیدا ہونیوالے مندرجہ بالا بیان کردہ رویے کی عکاسی مرزا اطہر بیگ اپنے ناول میں کرتے ہیں۔

"ادھر کوئی تیسرا سالار ہوتا تھا۔ اس کا کیا جو دماغ پھر کہ علاقے میں ڈھنڈھو را پٹو ادیا کہ اُسکے علاوہ کوئی شیر، شیرا، شیر و نام نہیں رکھ سکتا جس کسی کا ہے وہ بدل لے، نہیں تو اُس کے ساتھ بُرا ہوگا۔ لوجی شیروں بے چاروں کی شامت آگئی" (۲۱)

"ہر کمی کمین جو ویاہ کرے گا اُس کی عورت پہلی رات سالار کے ساتھ سوئے گی۔ یہ تو خیر ہوتا ہی تھا، ایسے تو بڑے تھے" (۲۲)

حقیقت میں امیر یا اعلیٰ طبقے کو کمزور طبقے کی طرف سے بغاوت کا خوف ہی ظلم و زیادتی، جبر اور سخت گیر پالیسیوں کی طرف دھکیلتا ہے۔ تاکہ وہ اپنے اقتدار کو قائم رکھ سکیں۔ جبکہ اسی ظلم و جبر اور استبداد کی زیادتی جب حد سے زیادہ ہو جائے تو کمزور طبقے میں مزید ناراضگی اور بغاوت کے جذبات کو بھڑکا سکتی ہے۔

ظلم و تشدد کے بعد جسمانی تکلیف کچھ وقت کے بعد رفع ہو جاتی ہے، لیکن ذہنی تکلیف کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ دراصل ذہنی تکلیف کا عمل ایک نفسیاتی اثر ہے۔ یہ نفسیاتی اثر ایک دفعہ کے کسی جسمانی تشدد یا المناک حادثے

کو دیکھنے کی صورت میں پیدا ہونے کے بعد بار بار اُس واقعے کو یاد کرنے کی وجہ سے بھی زندہ رہتا ہے۔ جسے (پی ایس ٹی ڈی) کہا جاتا ہے۔ مرزا اطہریگ اپنے اس ناول میں اسی ذہنی کیفیت اور نفسیاتی اثر کو بیان کرتے ہیں۔

"اگرچہ ٹارچر جسمانی اور نفسیاتی دونوں طرح کے اثرات پیدا کرتا ہے، لیکن نفسیاتی اثرات اصل عمل کے ختم ہونے کے بعد بھی قائم رہتے ہیں۔ (میں) یعنی عذاب کے بعد کا عذاب تو کیا اس بعد کے عذاب کے بعد ایک اور عذاب ہو گا اور کیا یہ سلسلہ ابد تک چلے گا۔ لیکن دیکھو اسے PTSD کہنے سے جیسے یہ کچھ قابو میں آ جاتا ہے۔ میں اب کہہ سکتا ہوں کہ آرے، ٹال، تالے چابی کا زمانہ بیت گیا۔ میں اب صرف PTSD کا شکار ہوں آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جاؤں گا۔" (۲۳)

کسی ملک ریاست یا سماج کے معاملات کو معاشرتی تنظیم اور حکمرانی کے ذریعے منظم کرنے کے عمل یا فن کو سیاست کہتے ہیں۔

سیاست کا بنیادی مقصد حکومت کے فیصلوں اور قانون سازی کے عمل کے دوران عوامی مسائل، مفادات اور نظریات کو مد نظر رکھا جائے۔ سیاست کے ذریعے حکومت کی تشکیل، قانون سازی، عوامی خدمت اور عوام دوست پالیسیاں بنائی جاتی ہیں۔ سیاست میں کئی سیاسی جماعتیں، افراد اور سرکاری ادارے شامل ہوتے ہیں۔ ہر سیاسی جماعت کا اپنا منشور اور سوچ ہوتی ہے۔ جس کے تحت وہ عوام سے چناؤ کے عمل کے دوران حمایت حاصل کرتے ہیں۔

سیاست کا اولین مقصد عوام کی خدمت ہے۔ لیکن اس کا براہ راست تعلق اقتدار، طاقت اور قیادت سے ہوتا ہے۔ جس کی بناء پر مفاد پرست سیاستدان اور طاقت کے متلاشی افراد خدمت کی بجائے عوام کے استحصال اور بد عنوانی کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔

کسی بھی معاشرے میں سیاسی نظام، حکومت اور عوام کے درمیان پیدا شدہ تنازعات اور مشکلات کی وجہ سے سیاسی مسائل جنم لیتے ہیں۔ اسکے علاوہ سیاسی نمائندوں اور سیاسی پارٹیوں پر عوام کی غیر اعتمادی اور ان کی آپس کی سیاسی جنگ کی وجہ سے بھی معاشرے میں سیاسی مسائل جنم لیتے ہیں۔

یہ مسائل اکثر قوانین، عوامی پالیسیاں، عوامی نمائندگی حکومت کی کارکردگی اور سیاسی حقوق سے متعلق ہوتے ہیں۔ یہ مسائل پورے معاشرتی ڈھانچے کو متاثر کرتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر سیاسی مسائل معاشی ترقی اور عوام کی فلاح و بہبود میں روکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔ ان مسائل کے وجوہات میں طبقاتی، نظریاتی اور اقتصادی اختلاف ہو سکتے ہیں۔ جو عوامی طبقوں، گروہوں یا سیاسی جماعتوں میں تنازعات پیدا کرتے ہیں۔

موجودہ دور میں جہاں ٹیکنالوجی نے انسانی زندگی میں آسانیاں اور سہولیات پیدا کی ہیں وہیں مسائل کو بھی جنم دیا ہے۔ میڈیا اور کیمرے نے بہت کچھ ظاہر کرنے کے ساتھ ساتھ بہت کچھ غلط بھی دکھایا ہے۔ صحافت اور سیاست کے گٹھ جوڑنے معاشرے میں انصاف کا جنازہ نکال دیا ہے۔ اگر صحافت سچائی کو ظاہر کرنے کی بجائے سچائی کو چھپانا شروع کر دے تو معاشرے میں نا انصافی عام ہو جاتی ہے۔ ذوقی نے اسی مسئلہ کو بیان کر کے ہمیں احساس دلانے کی کوشش کی ہے۔

"نیشنل ٹائمز رپورٹر کی خبر نے ہمیں ایک دم چونکا دیا تھا۔ اب ظاہر تھا۔ یہ سارا معاملہ سامنے آچکا ہے۔ میڈیا جو ایسی خبریں فروخت کرتا ہے۔ میڈیا سرخیوں کی اس خبر کو لپکے گا۔ رپورٹر نے انتہائی بھدے اور غلط طریقے سے ایک غلط ہیڈنگ لگائی تھی۔ اس پورے معاملے کو دولت بھادنا سے جوڑ دیا گیا تھا۔" (۲۴)

صحافت کی ذمہ داری کسی بھی خبر کی تہہ تک جا کر حقیقت معلوم کرنا اور پھر بعد میں اسے نشر کرنا ہے۔ خبر کی نظامت کو جانچنا اخلاقیات کے دائرے میں رہ کر خبر پیش کرنا ہے۔ کس طرح صحافت ایک آلہ بن چکا ہے۔ خبر کو اچھال کر، حقائق کو تبدیل کر کے خبریں فروخت کی جاتی ہیں۔ خبروں کی خرید میں ہمارے معاشرے کے

سیاستدان سب سے آگے ہیں۔ سیاسی مفاد کی خاطر کسی کی بھی عزت، جان یا مذہب کی ان کے سامنے کوئی حیثیت نہیں۔

"قانون منتر الیہ سے منتری جی کے یر سنل سیکرٹری کا فون تھا۔

جی !

بچے کے کیس کا کیا ہوا؟

Investigation چل رہا ہے۔

کب تک چلے گا۔؟

اصل میں بچہ

بچے کو مارے گولی

جی۔

سنانا بچے کو مارے گولی آپ سمجھ رہے ہیں نا۔ آپ جانتے ہیں نا۔" (۲۵)

آج کے اس ترقی یافتہ اور تہذیب یافتہ دور نے بادشاہی نظام کو ختم کر کے جمہوری نظام کو جنم دیا ہے۔ اس جمہوری نظام کی بنیاد سیاست ہے سیاسی عمل کے ذریعے ہی جمہوری حکومتی نظام قائم ہے۔ ذوقی ہندوستانی معاشرے میں موجود سیاسی نظام اور مفاد پرست سیاستدانوں کی حقیقت کو آشکار کرتے ہیں۔ سیاستدانوں کی اپنے مفاد کی خاطر کیس کو غلط رنگ دے کر دلت ووٹ بنک حاصل کرنے کی کوشش کو ظاہر کرتے ہیں۔

"منتری جی سٹلتے ہوئے بولتے جارہے تھے۔ زمانہ خراب شیو سینا ٹھیک کہتی ہے۔ گندگی بڑھ رہی ہے۔ ویلن ٹائن ڈے پر پابندی لگا۔ ہم پرانی سنسکرتی تو واپس لا رہے ہیں۔ اور یہ گا نگر لیس والے۔ لاو۔ آدھو کلتا ماڈرن بنو۔ دیکھو کا کیا حشر۔ بارہ سال کا بچہ بلا تکار نہیں کر

سکتا کیا جھوٹ نہیں بولتا کیا۔ تھپڑ نہیں مارتا کیا۔ گندی فلمیں نہیں دیکھتا کیا۔ تو پھر
بلا تکار کر سکتا ہے۔ نہیں کر سکتا تو ہم کرائیں گے۔ ایف آئی آر درج؟" (۲۶)

ذوقی نے ہندوستان کے علاقے گجرات میں ۲۰۰۲ میں ہونیوالے فسادات کے متعلق بھی بیان کیا ہے۔ ان مسلم
کش فسادات کو سیاسی مفادات کے لیے استعمال کیا گیا۔ جن میں ۲۵۰۰ مسلمان بے رحمی سے قتل ہوئے۔
سینکڑوں مسلمان عورتوں کی عصمت دری ہوئی کو سیاسی اور حکومتی پشت پناہی حاصل تھی۔ ان فسادات کے
زمہ دار ان کو آج تک سزا نہیں ہو سکی میری فرینڈس جو خود ہندوستان میں ایک اقلیتی طبقے سے تعلق رکھتی ہے
سنیل سے کہتی ہے۔

"ہیومن رائٹس کمیشن نے ایک ٹیم بھیجا۔۔۔۔۔ بروڈرہ بولا اب یہ معاملہ سی بی آئی جانچ
کرے گا۔ یہ بھی بولا ان معاملوں کی جانچ گجرات سے باہر ہو۔ کیا ہوا۔ سر۔ کیا نیا
ملا۔ ٹائم گزارا، مسلمان کو دھمکی دیا گیا زندہ رہنا ہے تو کمیشن اور میڈیا سے
بچیں۔" (۲۷)

یہاں یہ بھی بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ سیاست انصاف پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہے۔ آج کے اس
معلومات اور ٹیکنالوجی کے دور میں بھی حقائق کو چھپایا جاتا ہے۔ یا لٹ بیان کر کے مطلوبہ فیصلے اور نتائج حاصل
کیے جاتے ہیں۔

مرزا بیگ صاحب اپنے ناول صفر سے ایک تک میں سیاست سے جڑے مسائل کی نشاندہی کرتے ہیں۔ پاکستان
کے سیاستدانوں کی حقیقت کو عیاں کرتے ہیں۔ ان سیاستدانوں کو عوام یا عوامی مسائل سے کوئی غرض نہیں۔ یہ
کسی مقصد یا نظریے کے تحت جدوجہد نہیں کرتے۔ انکی تمام تر جدوجہد اپنے مفاد اور کرسی کی خاطر ہوتی ہے۔
اقتدار حاصل کرنے کی خاطر عوامی حلقوں میں دھڑے بندی اور مخالفت کو ہوا دیتے ہیں۔ اور یہ خود آپس میں
سیاست سے بطور کھیل لطف اندوز ہوتے ہیں۔

"بندہ ایک حد سے زیادہ امیر جھوٹ دھوکے اور فراڈ کے بغیر نہیں ہو سکتا۔۔۔ اُدھر میرے بعد کُرسی نہیں چھوڑتا۔۔۔ بعض مخصوص پیشوں اور ذاتوں کے بارے میں فیصلہ کہ یہ کسی کے نہیں ہوتے۔۔۔ اندر سے سب ایک ہیں یہ حزب اقتدار حزب اختلاف باہر کا ٹوپی ڈرامہ ہے۔۔۔۔" (۲۸)

سیاستدان ظاہری صورت میں کچھ اور، اور اندرونی طور پر کچھ اور ہوتے ہیں۔ سیاستدان جو حکومت میں ہوتے ہیں اور سیاستدان جو حکومت میں نہیں ہوتے باہم ایک ہیں۔ بظاہر ان کی مخالفت حقیقت میں دوستی ہوتی ہے۔ انکی یہ مخالفت صرف عوامی سطح پر اپنے مطلوبہ نتائج حاصل کرنے کے لیے ہوتی ہے۔

اخلاقی اقدار سے مراد وہ اصول اور ضوابط ہیں جو انسانوں کے غلط اور صحیح رویے کے لیے راہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ انفرادی یا اجتماعی سطح پر اخلاقیات ہی اس بات کا تعین کرتی ہیں کہ کون سے اعمال اچھے اور کونسے برے ہیں۔ اسی یقین کردہ معیار کے تحت ذاتی اور معاشرتی طرز عمل کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔

اخلاقیات کا تعلق صرف رسم و رواج یا قانون سے نہیں ہوتا بلکہ اس میں انسانوں کی نیت اور فطرت کو بھی بہت اہمیت حاصل ہے۔ جیسے اپنے سے بڑوں کا احترام کرنا، چھوٹوں سے شفقت سے پیش آنا، دیانتداری سے کام کرنا اور سچ بولنا شامل ہیں۔

ڈکسنری برائٹنیکا میں اخلاقیات کی تعریف کچھ یوں ہے۔ ترجمہ

"اخلاقیات نظم و ضبط ہے۔ اخلاقی طور پر صحیح اور غلط سے متعلق اس اصطلاح کا اطلاق

اخلاقی اقدار یا اصولوں کے کسی بھی نظام یا نظریہ پر ہوتا ہے۔" (۲۹)

اخلاقیات کو اپنانے اور بیان کرنے کا انداز ثقافتوں، فلسفیانہ نظریات اور مذاہب کے لحاظ سے مختلف ہو سکتا ہے۔ اگر لباس کو ہی دیکھا جائے تو اسلام میں دیگر مذاہب اور ثقافتوں کی نسبت غیر اخلاقی لباس کی سختی سے ممانعت ہے۔ خصوصاً عورتوں کے لباس کے حوالے اسلام میں بہت سختی سے حکم دیا گیا ہے۔ لیکن اگر دوسرے مذاہب

میں دیکھا جائے تو عورتوں کے نیم برہنہ لباس کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔ اسی لیے اُن معاشروں میں اس قسم کے لباس کو غیر اخلاقی تصور نہیں کیا جاتا ہے۔ انہی مختلف مذاہب میں بغیر ازداجی بندھن کے لڑکے اور لڑکی کا آپس میں جنسی رشتہ قائم ہونا جسے عام اصطلاح میں بوائے فرینڈ اور گرل فرینڈ کا نام دیا جاتا ہے کوئی معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ برصغیر کی تہذیب و ثقافت میں اس قسم کے تعلق کو برا سمجھا جاتا ہے۔

اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ ہر اخلاقی قدر پر اختلاف موجود ہے۔ کچھ اخلاقی اقدار ایسی ہیں جن پر تمام مذاہب ثقافتوں اور فلسفیانہ نظریات کا اتفاق ہے۔ مثلاً سچ بولنا، دھوکہ نہ دینا، دیانت داری سے کام لینا، بڑوں کا احترام کرنا، اور چھوٹوں سے شفقت سے پیش آنا ایسی اقدار ہیں جو تقریباً تمام مذاہب اور مکتبہ فکر میں ایک جیسی ہیں۔ حقیقت میں تمام مذاہب کی اصل روح درس اخلاقیات ہے۔

اخلاقی مسائل سے مراد وہ سوالات یا اعتراض ہیں جو کسی معاشرہ، گروہ یا شخص کے اپنے اعمال، فیصلوں اور رویوں کے غیر اخلاقی یا اخلاقی ہونے کا جائزہ لیتے ہیں۔ یہ مسائل عام طور پر انسانی حقوق، ذمہ داریوں اور اقدار کے درمیان تنازعات یا تضادات کی صورت میں سامنے آتے ہیں۔ اور کئی دفعہ ان میں صحیح یا غلط طے کرنا مشکل ہوتا ہے۔ مثلاً معاشرتی اور قانونی معاملات میں اکثر مساوات اور انصاف کے اصول اخلاقی مسائل پیدا کر سکتے ہیں۔ جیسے معاشرتی وسائل کی تقسیم، اقلیتوں کے حقوق اور صنفی مساوات کے حوالے سے اخلاقی فیصلوں میں یہ طے کرنا مشکل ہوتا ہے کہ سب کے ساتھ انصاف کیسے ہو سکتا ہے۔ بعض اوقات حقوق اور ذمہ داریوں کے مابین عدم توازن سے بھی اخلاقی مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔ مثلاً آزادی اظہار رائے کے حق سے کسی انسان کی عزت یا احساسات مجروح ہو سکتے ہیں۔ ذاتی اور اجتماعی مفاد کے درمیان اختلاف سے بھی اخلاقی مسائل جنم لیتے ہیں۔ مثلاً کوئی فرد یا کمپنی اپنے منافع کی شرح کو بڑھانے کے لیے اجتماعی فائدے کی قربانی کر سکتا ہے، جس سے اخلاقی مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔

تکنیکی اور سائنسی ترقی سے بھی اخلاقی مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ مثلاً جینیاتی اور حیاتیاتی تجربات نے بھی کئی اخلاقی مسائل پیدا کر دیئے ہیں، ترقی یافتہ ممالک کی بڑی بین الاقوامی کمپنیوں کے تیسری دنیا کے ممالک کی عوام پر نئی

تیار کردہ ادویات کے تجربات بھی بہت بڑا اخلاقی مسئلہ ہیں۔ جھوٹ، دھوکہ دہی اور بے ایمانی ہماری روزمرہ زندگی میں اخلاقی مسائل پیدا کرنیوالی غیر اخلاقی عادات ہیں۔ اخلاقی مسائل کی نوعیت مذہبی، ثقافتی اور معاشرتی تناظر میں مختلف ہو سکتی ہے۔

ذوقی اخلاقیات کے موضوع کو بہت تفصیل سے اپنی اس کہانی میں شامل کرتے ہیں۔ اس کہانی میں رومی کنچن بارہ سالہ لڑکے پر اپنی ہم جماعت لڑکی سونالی کے ریپ کا کیس ہے۔ یہ کیس سنیل کمار رائے کی عدالت میں شنوائی کے لیے مقرر ہوتا ہے۔ جج سنیل کمار رائے کے ذریعے ذوقی ہندوستانی معاشرے کی اخلاقی اقدار کی گراوٹ کی وجہ جاننے کی کوشش کو بیان کرتا ہے اور قاری پر سنیل اور اسکے دوست وکیل نکھل اڈوانی کے درمیان اس کیس اور اخلاقیات کے موضوع پر بحث سے اس گراوٹ اور اسکی وجوہات آشکار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ "پھر ————— وہی اخلاقیات ————— اخلاقیات کا مجھ پر زبردست دباو ہے اور پھر لڑکے کی عمر لڑکا مت کہو ————— ملزم بھی نہیں کہہ سکتا" (۳۰)

"آجکل سارا سارا دن ساری ساری رات انٹرنیٹ میں اُلجھا رہتا ہوں۔ سوچتا ہوں وہ کیا

چیز ہے جو بچوں کو تباہ کر رہی ہے۔" (۳۱)

ذوقی قاری پر یہ بات واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ بارہ سالہ بچے سے جنسی فعل سرزد ہو جانا کسی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت نہیں ہوتا بلکہ یہ حادثہ ہے جسکی بنیادی وجہ اخلاقی اقدار کی گراوٹ ہے۔ معاشرے میں اخلاقی اقدار کی اس گراوٹ کے بالواسطہ یا بلاواسطہ اثرات بچوں پر بھی آرہے ہیں۔ بچوں پر آنے والے ان اثرات کو بیان کرتے ہوئے ہمیں جھنجھوڑنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان اثرات کی ایک بڑی وجہ بڑوں کے اخلاق کی گراوٹ بھی ہے۔

"تم گھر جاؤ تم مجھے پاگل کر دو گے۔ بریک فاسٹ کے بعد میں تمہارے گھر آ جاؤں گا۔ وہ

مسسز مبین آرہی ہیں۔ ویسے بھی چار دنوں سے یہ میرے رومانس میں پڑی ہیں۔ تم ہڈی

بن کر رہو گے تو یہ ہاتھ سے نکل جائیں گی۔" (۳۲)

نکھل اڈوانی پیشے سے وکیل ہے جسکی ایک بیٹی بھی ہے۔ سنیل اور نکھل اکثر صبح کے وقت واک پر اکٹھے جاتے ہیں نکھل واک پر آئی عورتوں کے ساتھ آزادانہ گفتگو کرتا ہے۔ اور انہیں لُبھانے کی کوشش کرتا ہے اس عمل میں وہ کافی مہارت رکھتا ہے۔ اور ان شادی شدہ عورتوں کے ساتھ مراسم قائم کر لیتا ہے۔

"نکھل نے آنے کے بعد ہی اپنا مدعا بیان کر دیا۔ وہ میٹنی شو، مسسز مبین کے ساتھ پی، وی، آر میں فلم دیکھنے جا رہا ہے۔ تو بات بن گئی۔ ہاں تم یہ سب کیسے کر لیتے ہو۔ بہت آسان ہے نکھل ہنسا۔" (۳۳)

اخلاقی اقدار کی گراوٹ کی پہلی اور بڑی وجہ بچوں سے زیادہ والدین ہیں۔ اگر والدین خود بیوی کے ہوتے ہوئے دوسروں کی بیویوں یا عورتوں سے جی بہلانے کی کوشش کریں گے تو اس سے معاشرے میں اخلاقیات کا معیار کیا رہ جائے گا؟ مشہور کہاوت ہے کہ "بچے بڑوں سے اثر لیتے ہیں" اگر بچے والدین یا بڑوں کو اس قسم کی حرکات و اعمال کرتے ہوئے دیکھیں گے تو ان کے اندر بھی یہ عادت پیدا ہو گئی۔ جس سے روی اور سونالی کے درمیان ہونیوالے حادثے جیسے واقعات پیش آئیں گے۔

مندرجہ بالا بحث سے ایک اور بات بھی واضح ہوتی ہے جیسا کہ محاورہ ہے "دوسروں کو نصیحت اور خود میاں فضیحت" یعنی ہم اپنے بچوں کو اچھائی کی تلقین کرتے ہیں کہ وہ کوئی غیر اخلاقی فعل نہ کریں جبکہ ہم خود غیر اخلاقی فعل کا ارتکاب کرتے ہیں۔ لہذا بچوں سے پہلے ہمیں اپنے فعل پر توجہ کرنی چاہیے۔

"نکھل نے قبضہ لگایا۔ رتو اب گھر میں نہیں رہتی۔ تو کہاں رہتی ہے میرے ذہن میں دھماکے پر دھماکے ہو رہے تھے۔ ایک فرینچ ایمبسی کا لڑکا تھا۔ پٹایا۔ آج کل اُسی کے گھر رہتی ہے۔ نو میرج، نو لپھڑا۔ میرا کیا ہے یا۔ اس سنسار کا سب سے دلچسپ اور خوش قسمت آدمی ہوں۔ کوئی جہیز نہیں۔ کوئی ٹنشن نہیں۔ بیٹی بغیر شادی اپنے دو لہے کے گھر چلی گئی۔ اور پتی نے کالج کے ایک لڑکے سے رومانس شروع کر دیا" (۳۶)

ذوقی یہاں اس ضمنی کردار کی کہانی کو اختتام پذیر کرتے ہوئے قاری کو یہ دیکھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ آخر میں کس طرح نکل کی بیوی اور بیٹی اپنے خاوند اور باپ کی طرح اخلاقیات کو روندتی ہیں۔ یہاں ایک بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جیسے محاورہ ہے "جیسا کرو گے ویسا بھرو گے"۔ بنیادی طور پر ذوقی مغربی ثقافت کے اثرات کو بیان کرتے ہیں۔ جسکی وجہ سے ایسے اخلاقی مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔

"شالنی دیورت کی کمزوری تھی۔۔۔۔۔ شالنی کو بے حد مانتا تھا۔ فاونڈیشن، نئی ساڑیاں، ماڈرن ڈریسز، سینمائلے جانا خود بھی وہ دیکھنے میں ۴۵ سے کم لگتا تھا۔ رات میں پینے پلانے کے بعد ایسا بھی ہوتا تھا۔ جب دونوں پتی پتی ویڈیو پلیئر پر بلیو فلم کی سی ڈی چلا کر چھوڑ دیتے۔ بابا کی فکر نہیں تھی۔" (۳۵)

شالنی روی کی ماں اور دیورت والد تھا۔ دونوں میاں بیوی میں بہت پیار تھا لیکن بابا یعنی اپنے بیٹے روی کی پرورش سے بالکل غافل تھے۔ بچہ اخلاقیات اور معاشرتی اقدار اپنے گھر اور والدین سے سیکھتا ہے۔ اسی لیے ذوقی معاشرے میں اور خصوصاً بچوں میں پیدا ہونے والے اخلاقی مسائل کی کئی دوسری وجوہات مثلاً ٹیکنالوجی اور آلات کے علاوہ بڑی وجہ والدین کی لاپرواہی کو بھی ٹھہراتے ہیں۔ والدین کا فرض صرف بچوں کے لیے مالی وسائل کی فراہمی نہیں بلکہ اُن کی اخلاقی جسمانی اور ذہنی تربیت کے ساتھ نگرانی بھی شامل ہے۔ اگر والدین اپنی معاشی اور معاشرتی زندگی میں اتنے زیادہ مصروف ہوں کہ اُنہیں اپنے بچوں کے لیے فرصت ہی نہ ملے۔ ایسے غیر اخلاقی فعل یا مواد جس سے والدین خود لطف اندوز ہو رہے ہوں۔ والدین کی لاپرواہی کی وجہ سے بچوں کو اُنکی بھنک پڑ جائے تو اُس کے نتائج روی اور سونالی کے درمیان ہونیوالے جنسی واقع کی صورت میں رونما ہوتے ہیں۔ جس کے ذمہ دار والدین ہیں۔

"پاپا کو ایک بار دیکھا تھا فلم دیکھتے ہوئے، میں کمرے میں اچانک گھس گیا تھا۔۔۔ پاپا اور مُمی۔۔۔ پاپا نے ڈانٹ کر بھگا دیا تھا۔۔۔ شٹ اپ۔۔۔ اب بڑے ہو گئے ہو۔۔۔ کمرے میں ناک کر کے آنا چاہیے۔۔۔ فلم دکھانے کو سونالی نے کہا۔۔۔ میں

(۳۶)

کیے جا رہے تھے۔ ڈری سہمی سونالی کے چہرے کو چینلزنے چھپا دیا تھا۔ مگر اخباروں میں سونالی کی تصویر چھپ گئی تھی" (۳۸)

ذوقی یہاں یہ بھی احساس دلانے کی کوشش کرتے ہیں کی کس طرح اپنے ذاتی مفاد کی خاطر کچھ لوگ جھوٹ اور دھوکہ دہی سے بھی کام لینے سے گریز نہیں کرتے جسکی وجہ سے ایک تو وہ اجتماعی فائدے کے کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ اور دوسرا معاشرتی اخلاقیات کی دھجیاں بھی اڑا دیتے ہیں۔ اور آخر میں کسی معصوم یا انجانے میں غلطی کر بیٹھنے والے کے دل و دماغ پر کیا گزرتی ہے۔

صفر سے ایک تک میں بیگ صاحب اخلاقی مسائل کو فلسفیانہ انداز میں بیان کرتے ہیں۔ موجودہ دور میں سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان مضمرات کو بیان کرنے کے لیے معاشرتی مسائل کی مثال ٹیکنالوجی مسائل کی صورت میں دیتے ہیں۔

"ایک خبیث سائنس دان کمپیوٹر وائرس کے تصور کو بنیاد بنا کر ایک ذہنی وائرس بنانے کے امکان پر غور کر سکتا ہے۔ یہ وائرس بھی ایک سوفٹ ویئر ہے۔ یعنی عام زبان میں لکھی یا کہی چند باتوں پر مشتمل ہے۔ اور پڑھنے والے کے ساتھ ہی سننے والے کے ذہن کی فائلیں آہستہ آہستہ کرپٹ ہونے لگتی ہیں" (۳۹)

اس پیرے میں مرزا کا اشارہ غلط ذہن سازی کی طرف ہے۔ جو کہ ایک غیر اخلاقی عمل ہے۔ اس عمل کے ذریعے کسی انسان یا گروہ کے رویوں، خیالات، نظریات، عقائد اور نفسیات کو متاثر یا کنٹرول کر کے ان کا غلط استعمال کیا جاسکتا ہے۔ جس کے لیے غلط معلومات چاہے تاریخی ہوں یا حال کی کا سہارا لیا جاتا ہے۔ یا پھر غلط تشریحات اور جھوٹ، دھوکہ وغیرہ بھی اس عمل کے ہتھیار ہو سکتے ہیں۔

جان بوجھ کر حقائق کو مسخ کر کے مطلوبہ نتائج کے لیے سچائی میں رد و بدل کرنا یا چھپا دینا حقیقت میں اخلاقی جرم ہے۔ اگر ذہن سازی کسی غلط مقصد کے تحت ہو جیسا کہ ذاتی مفاد، مالی مفاد، سیاسی مفاد، یا مذہبی اور ملکی انتشار کے

لیے کی جارہی ہو تو غیر اخلاقی ہونے کے ساتھ قانونی جرم بھی ہے۔ اکثر دہشت گرد تنظیمیں یا انتہا پسند گروہ ذہن سازی کے عمل سے ہی افراد کو استعمال کر کے اپنے مقاصد حاصل کرتے ہیں۔

آجکل کامیڈیا بھی اسی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔ مختلف اشیاء کی فروخت کے لیے چلائے جانے والے اشتہارات میں انسانی نفسیات کو متاثر کرنے کے لیے ایسے طریقے استعمال کیے جاتے ہیں۔ مثلاً اہم شخصیات جیسے کھلاڑی اور کئی مشہور افراد کو بھاری رقوم ادا کر کے اشتہارات بنوائے جاتے ہیں۔ پھر ان اشتہارات کو میڈیا پر چلا کر لوگوں کو جذباتی طور پر مصنوعات خریدنے کی طرف راغب کیا جاتا ہے۔

ج: اشتراکات و افتراقات

مرزا اطہر بیگ کے ناول "صفر سے ایک تک" اور مشرف عالم ذوقی کے ناول "پو کے مان کی دنیا" میں بیان کیے گئے معاشرتی، ثقافتی، نفسیاتی، سیاسی اور اخلاقی مسائل کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ دونوں ناولوں میں ان مسائل کی عکاسی کی گئی ہے۔ یعنی دونوں ناولوں میں سافٹ سائنس فکشن کا ایک عنصر موجود ہے۔ اب اپنے موضوع کی مناسبت سے دونوں ناولوں میں ان مسائل کے لحاظ سے اشتراکات و افتراقات معلوم کرنے کے لیے تقابلی جائزہ لیتے ہیں۔

اشتراکات

۱۔ علاقہ

دونوں ناول "صفر سے ایک تک" اور "پو کے مان کی دنیا" کے مصنفین کا تعلق ایک ہی خطہ سے ہے۔ "صفر سے ایک تک" کے مصنف مرزا اطہر بیگ کا تعلق پاکستان جبکہ "پو کے مان کی دنیا" کے مصنف کا تعلق ہندوستان سے ہے۔ دونوں ممالک براعظم ایشیا کے خطہ برصغیر میں واقع ہیں اور ہمسایہ بھی ہیں۔ جغرافیائی لحاظ سے ایک جیسے ہونے کے علاوہ دونوں ممالک میں کافی حد تک ثقافتی مماثلت بھی پائی جاتی ہے۔

۲۔ زبان

دونوں ناولوں کی تحریری زبان اردو ہے۔ ایک خطے اور پڑوس میں واقع ہونے اور سینکڑوں سالوں تک ایک ہی سلطنت کے زیر انتظام رہنے کی وجہ سے دونوں ممالک میں اردو بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اردو کی ابتداء اور پیدائش انہی علاقوں میں اُسوقت ہوئی جب ان میں تقسیم نہ تھی۔ دونوں ممالک کا اردو زبان سے مضبوط رشتہ کی ایک بڑی وجہ ملکی اور قومی زبان ہونے کے ساتھ ساتھ تاریخ اور ادب کا بہت بڑا سرمایہ اسی زبان میں ہے۔

۳۔ عنوان

عنوان کے لحاظ سے بھی دونوں ناولوں میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ دونوں ناولوں کے عناوین کا تعلق ڈیجیٹل ٹیکنالوجی ہے۔

"صفر سے ایک تک" میں دو ہندسے صفر اور ایک کمپیوٹر کی زبان کا حصہ ہیں۔ زبان کے اس نظام کو بائیزی سسٹم کہتے ہیں۔ یہ نظام صرف دو ہندسوں پر مشتمل ہوتا ہے اسی لیے اسے بائیزی سسٹم کہتے ہیں کیونکہ بائیزی کا مطلب دو ہے۔

"پوکے مان کی دنیا" میں پوکے مان ایک جاچانی کمپنی کی تیار کردہ ویڈیو گیم کا نام ہے۔ بنیادی طور پر اس ناول کی تحریر کا اصل محرک یہی ویڈیو گیم ہے۔ ویڈیو گیمز کا تعلق بھی ڈیجیٹل ٹیکنالوجی سے ہے۔

۴۔ طبقات

دونوں مصنفین نے اپنی تصانیف میں معاشرے میں موجود طبقاتی تقسیم کو بیان کیا ہے۔ مرزا اطرہ بیگ نے پاکستانی معاشرے میں موجود جاگیر دارانہ نظام کی وجہ سے پیدا ہونیوالی طبقاتی تقسیم کو بیان کیا ہے۔

"کوئل سالاراں کے چاروں اطراف میں میلوں تک پھیلی زرعی اراضی سالار برادری کی ملکیت ہے۔ یہ اراضی ان لوگوں کی ملکیت کیسے بنی؟ اس میں بعض کافی پرانے سالار

بزرگوں کے انگریز حاکموں سے بوسہ بازی کے ایک طرفہ تعلق کا گہرا عمل داخل ہے۔

اور یہ تعلق دستہ بوسی اور قدم بوسی سے لے کر خصیہ بوسی تک پھیلا ہوا تھا" (۴۰)

اطہر بیگ نے اس کہانی میں یہ بھی بتایا کہ موجودہ جاگیردار نہ نظام انگریز کا قائم کردہ ہے۔ آج کے موجودہ جاگیردار اور نواب جن کو انگریزوں نے زمین اور جائیداد دینے کے عوض انکی وفاداری کو خریدا۔ آج کے ان جاگیرداروں کے بڑوں نے انگریزوں کے خلاف آزادی کی جنگ لڑنے یا بغاوت کرنے کی بجائے انگریز کی دست بوسی اور قدم بوسی کا راستہ اختیار کیا جسکی وجہ سے انہیں اتنی زیادہ زمینوں اور جائیدادوں سے نوازا گیا۔

ذوقی نے بھی ہندوستان کے معاشرے میں موجود طبقاتی نظام کی عکاسی کی ہے۔ معاشی لحاظ سے طبقات تو ہر معاشرے میں ہوتے ہیں۔ لیکن ہندو معاشرے میں معاشی کے علاوہ بھی طبقاتی نظام موجود ہے۔ جسے ذات پات کا نظام کہا جاتا ہے۔

"بابا نے بتایا ہے۔ اپنے ہیں۔۔۔ اب تو بڑے بن گے ہیں۔ دلی میں ہیں۔۔۔ پڑھنے کو

بولا ہے۔ بولے میں چمار جات کو پڑھنا چاہیے۔۔۔ آگے بڑھنے کا ادھیکار سب کا

ہے۔۔۔ بڑھو۔۔۔ برابری کرو۔۔۔" (۴۱)

چمڑے سے جو تیاں بنانے کا کام چھوٹی ذات کے لوگوں کا تھا۔ ذات کے اسی فرق کی بناء پر ہندو معاشرے میں کام کی تقسیم ہے۔ لیکن ذوقی ساتھ میں یہ بھی باور کراتے ہیں کہ پڑھ لکھ کر ترقی کر کے اور معاشی طور پر مضبوط ہو کر برابری کی جاسکتی ہے۔

۵۔ معاشرتی ناہمواری

دونوں ناولوں میں پاکستان اور ہندوستان کے معاشروں میں موجود معاشرتی ناہمواری کو بیان کیا گیا ہے۔ مرزا نے پاکستانی معاشرے کے اندر موجود معاشرتی ناہمواری میں خاص طور پر نسب اور دولت، جائیداد کی بنیاد پر درجہ

بندی کو بیان کرتے ہیں۔ "والد صاحب سالار برادری کے منشی ہونے کے باوجود مصلیوں کی بیٹی کو بہو بنانے کی ذلت کسی صورت برداشت نہیں کر سکتے تھے" (۴۲)

عطاء اللہ جو کہ خود جاگیردار برادری سالار کے منشی تھے۔ خود کو باقی پسماندہ اور کمزور طبقے سے اعلیٰ سمجھتے تھے۔ اس لیے اپنے بیٹے کا رشتہ ایسے خاندان میں کرنے کو ناقابل برداشت ذلت سمجھتے تھے۔ جس سے پاکستانی معاشرے میں عدم مساوات کا پتہ چلتا ہے۔

ذوقی ہندوستان میں موجود نسب اور کسب کی بنیاد پر درجہ بندی کو بیان کرتے ہیں۔

"چھوٹا سا جے چنکی رام۔۔۔۔۔ بابوؤں کے پاس آتا تو۔۔۔ بابو دو ہاتھ ایسے بھاگتے جیسے وہ کوئی اچھوت ہو۔۔۔ اور یہ آدمی ایک دم کالا بھینس کے رنگ وال۔۔۔ آگے پیچھے دوڑ کر گھومتے ہوئے لوگ۔۔۔ بابو جی۔۔۔ ہاں لوگ یہی تو کہ رہے تھے۔ چرنوں میں گر رہے تھے۔" (۴۳)

جے چنکی رام چمار کا بیٹا تھا۔ ہندوستان میں چمار کا کام نیچی ذات کے لوگ ہی کرتے تھے۔ نیچی ذات کے بڑوں تو کیا بچوں کو بھی وہاں کے معاشرے میں اونچی ذات والے ہاتھ ملانے سے کتراتے ہیں۔ اگر ذات بھی نیچی ہے اور غریب بھی ہے تو پھر اونچی ذات والے قریب بھی بھٹکنے نہیں دیتے ہیں البتہ اگر انسان کے پاس دولت اور کرسی ہو تو پھر ذات کوئی معنی نہیں رکھتی۔

۶۔ تعلیم میں نابرابری

مرزا نے طبقاتی نظام کے زیر اثر معاشرے میں امیر اور غریب کے لیے میسر علیحدہ تعلیمی ادارے اور نظام کو بھی نشانہ بنایا ہے۔ پاکستان میں اعلیٰ تعلیمی اداروں میں داخلہ قابلیت کی بنیاد پر نہیں بلکہ خاندان اور دولت کی بنیاد پر ملتا ہے۔

"جب فیضان اور میں کو تل سالاراں کے قریبی قصبے بھالیکے کے ہائی سکول سے بہت اعلیٰ نمبروں میں میٹرک کر کے لاہور آئے۔ فیضان نے ایچ سیسن کالج میں داخلہ لے لیا اور میں نے ایک مشکوک قسم کے کمپیوٹر کالج میں لیکن میری قسمت میں کمپیوٹر کالج اور وہ بھی مشکوک ہی کیوں لکھا تھا" (۴۴)

مرزا اس کہانی میں ذکی اور اسکے دوست فیضان جو کہ ہم جماعت ہیں اور قابل بھی ہیں۔ دونوں نے اعلیٰ نمبر حاصل کیے ہیں۔ لیکن اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے مواقع دونوں کے لیے یکساں نہیں ہیں۔ مرزا نے طبقاتی نظام کے ساتھ ساتھ اُن اداروں کو بھی نشانہ بنایا ہے، جو اس نظام کو ہوا دیتے ہیں۔ جو اس ملک میں ایسے نظام کی بنیاد بنتے ہیں۔ اور ساتھ ہی تقابل بھی کیا ہے۔

ذوقی نے بھی ناول پو کے مان کی دنیا میں ہندوستانی معاشرے میں غریب کے تعلیمی مسائل کو بیان کیا ہے۔ غریب آدمی کے لیے بنیادی طور پر سب سے بڑا مسئلہ دولت ہے۔ جس غریب کو کھانے کے لالے پڑے ہوں اُس کے لیے تعلیم سے زیادہ دو وقت کا کھانا اہمیت رکھتا ہے۔ "دسویں میں تھا کہ زبردستی پکڑ کر اسکا گونا کر دیا گیا۔ اور ستر اسکے حوالے کر دی گئی۔ اب اپنا کما کھا۔ گھر والی کو بھی کھلا" (۴۵)

ہندوستانی معاشرے میں غریب آدمی کے لیے اپنے بچوں کو پالنا اور اُن کے تعلیمی اخراجات اٹھانا بہت بڑا مسئلہ ہے۔ اسی لیے اکثر غریب بچے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ والدین اپنے بچوں کو مالی آسودگی کے لیے تعلیم کی بجائے کمانے پر لگا دیتے ہیں۔

۷۔ ثقافتی مسائل

مرزا نے اپنے ناول میں مذہبی اور دنیاوی دونوں لحاظ سے ثقافتی مسائل کی عکاسی کی ہے، مرزا کے مطابق پاکستان کو وراثت میں ملنے والا نیم جاگیر دارانہ نظام پاکستانی معاشرے کا ایک بہت بڑا ثقافتی مسئلہ بھی ہے۔

"اُس الٹا ماڈل خاتون کا تعلق سالار نیٹ ورک کے کلچرل ونگ سے تھا۔ جسے بعض اوقات میں کلچرل مافیا بھی کہہ لیا کرتا تھا۔ یہ خواتین و حضرات ایک گروہ ہے۔ اور جس میں آگے چھوٹے چھوٹے گروہ ہیں۔ جنہیں پختہ یقین ہے کہ اگر وہ نہ ہوتے تو اس معاشرے میں آرٹ، موسیقی، فلم، تھیٹر کا خانہ خراب ہو جانا تھا۔" (۴۶)

مرزا صاحب کے مطابق اس نیم جاگیر دارانہ نیٹ ورک کے کلچرل ونگ بھی ہیں۔ جسے مرزا مافیا کا نام دیتے ہیں۔ اس مافیا میں جاگیر داروں کی عورتیں سرکردہ رکن ہیں۔ انہوں نے پاکستانی معاشرے کی ثقافت کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھایا ہوا ہے۔ پاکستانی ثقافت کی نمائندگی کرنے میں بھی پیش پیش ہوتی ہیں۔

مذہبی ثقافت کا ذکر ذکی کے بھائی ثناء اللہ کے کردار سے ہوتا ہے جو جعلی پیر بن کر پیسے کماتا ہے۔ اپنے ڈیرے کے باہر بورڈ پر جعلی پیر کا نام لکھوا کر لوگوں کو نفسیاتی طور پر دھوکہ دیتا ہے۔

"وہاں بھی کچھ مرید ہیں میرے،۔۔۔ اباجی انھیں جب موقع ملے بھڑکاتے رہتے ہیں۔ جعلی پیر ہے۔ مرید انہیں جواب دیتے ہیں۔۔۔۔۔ سرکار تو ہیں ہی جعلی پیر اور اباجی لا جواب ہو جاتے ہیں" (۴۷)

مصنف جعلی پیروں کی پاکستانی معاشرے میں اندھی تقلید کو بھی نشانہ بناتے ہیں۔ توہم پرستی اور ضعیف الاعتقادی کی وجہ سے لوگ ایسے پیروں کے ہاتھ لٹتے ہیں۔

ذوقی نے دنیا میں گلوبلائزیشن کے تحت عالمی ثقافت کے اثرات کی وجہ سے پیدا ہونے والے ہندوستانی ثقافتی مسائل کو بیان کیا ہے۔ ذوقی مغربی ثقافت کے زیر اثر مشرقی ثقافت اور تہذیب کے مٹنے کا عمل بیان کرتے ہوئے مشرقی اور مغربی ثقافت کا تقابل بھی پیش کرتے ہیں۔ جے چنکی رام کی بیوی سمتر مشرقی جبکہ شوبھا مغربی تہذیب کی عکاسی کرتی ہے۔

"ایک شوبھا تھی۔ اب جس کے نئے نئے نقاضے سے بھی وہ دکھی ہونے لگا تھا۔ اور ایک طرف ستمرا تھی۔ اس بیچ دو ایک بار وہ وقت نکال کر آ رہ بھی گیا۔ بیٹیا اور ستمرا سے ملا۔ ایک کسک جاگی۔ کہیں اُس نے غلطی تو نہیں کی لیکن جو ہونا تھا ہو چکا تھا۔" (۴۸)

ذوقی اس ناول میں خاص طور پر بچوں کے مغربی تہذیب میں دلچسپی اور لگاؤ کو نشانہ بناتے ہیں۔ سنیل اور اُسکا دوست نکھل کے بچوں، اور سونالی اور روی کنچن کے ذریعے مشرقی تہذیب اور ثقافت پر مغربی ثقافت کی یلغار کے ہر پہلو کو بیان کرتے ہیں۔ جب سنیل اور نکھل کے بچے بغیر شادی کے اپنے دوستوں کے ساتھ چلے جاتے ہیں تو نکھل سنیل سے کہتا ہے۔

"ایک کلچرل ہم سے دور ہو رہا ہے۔ ایک سنسکرتی ہم سے روٹھ رہی ہے۔ امریکہ سے ہندوستان تک ہر بار گھوم پھر کر ہم ایک سنسکرتی کو بچانے کی لالچ میں پڑ جاتے ہیں۔" (۴۹)

ذوقی توجہ دلاتے ہیں کہ مغربی تہذیب کی وجہ سے ہماری تہذیب اور ثقافت ہم سے دور ہو رہی ہے۔

۸۔ نفسیاتی مسائل

مرزا اطہر بیگ نے اپنے ناول میں پاکستان میں موجود طبقاتی صورتحال کی وجہ سے نچلے طبقے کو اعلیٰ طبقے کی جس سوچ اور رویے کا سامنا کرنا پڑتا ہے کی عکاسی کی ہے۔ مرزا نے جاگیر دارانہ سوچ اور کلچر کو دیکھاتے ہوئے غریب کے متعلق اُنکی سوچ کو دکھانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ اس سوچ اور رویے کی وجہ سے کمزور طبقہ کئی نفسیاتی مسائل میں گھرا رہتا ہے۔

"زلیخامائی، ڈارلنگ تمہارا لیب ٹاپ خراب ہو گیا کیا۔۔؟ اور ڈیر میں سمجھی تم زمانوں سے کمپیوٹر والا سے کچھ ڈسکس کر رہی ہو تو یقیناً تمہارا کوئی لیب ٹاپ خراب ہو گا۔ یہاں

اُس نے تمسخر اور حقارت سے بھری وہ سالار نظر میرے اوپر ڈالی جو میرے لیے اجنبی نہیں تھی" (۵۰)

ذکی جو کہ فیضان سالار کا بچپن کا دوست بھی تھا۔ فیضان کے کہنے پر ایک پارٹی کے دوران یوروشین لڑکی زلیخا خلجی سے گفتگو کر رہا ہوتا ہے۔ تو اُس وقت اُس کو تضحیک آمیز لہجے اور حقارت بھری نگاہوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جس سے جاگیرداروں کی سوچ اور عام طبقے کو ملنے والی حقارت اور نفسیاتی اذیت کا اظہار ہوتا ہے۔

ذوقی نے اپنے ناول میں ہندوستان میں موجود ان نفسیاتی مسائل کو بیان کرتے ہیں جو ٹیکنالوجی کی وجہ سے جنم لینے والی نئی ثقافت کے زیر اثر جنم لے رہے ہیں۔

"تم اس زندگی کو بدلتے کیوں نہیں؟ نہیں بدل سکتا کوئی ساز چھیڑو کوئی نغمہ یہ اداسی تمہیں کھا جائیں گی۔ مجھے احساس ہے۔ یہ اداسیاں مجھے کھا رہی ہیں۔ مسلسل کھائے جا رہی ہیں۔ مجھے تم سے وحشت ہونے لگی ہے۔ میں آئینہ سے ہٹ جاتا ہوں" (۵۱)

یہاں جج سنیل کمار رائے آئینہ کے سامنے کھڑے ہو کر خود سے مخاطب ہوتا ہے۔ اُسکی اداسی کی وجہ اُس کے اپنے بچے ہیں۔ جو اپنی تہذیب اور ثقافت کو چھوڑ کر مغربی تہذیب و ثقافت کی تقلید میں مصروف ہیں۔ سنیل چاہتے ہوئے بھی خود کو اس عالمی ثقافت اور تہذیب کا حصہ نہیں بنا سکتا۔ اُسے اپنی تہذیب اور ثقافت سے پیار ہے۔ اسی وجہ سے وہ نفسیاتی دباؤ کا شکار ہے۔

ذوقی اس ناول میں فرائیڈ کے نفسیاتی نظریات کے تحت ہندوستانی بچوں کی نفسیات کو آج کے جدید دور کے سانچے میں رکھ کر دیکھنے کو کوشش کرتے ہیں۔ موبائل، انٹرنیٹ اور میڈیا ٹیکنالوجی نے بچوں میں کس طرح تجسس کی حس کو بڑھا دیا ہے۔ اسی تجسس اور آگاہی کی وجہ سے سونالی اور روی سے جنسی فعل سرزد ہو جاتا ہے۔

۹۔ سیاسی مسائل

دونوں ناولوں میں سیاسی یا سیاست سے جڑے مسائل کی نشاندہی کی گئی ہے۔ صفر سے ایک تک میں جاگیردارانہ نظام اور سیاست کے گٹھ جوڑ اور سیاسیوں کے ظالمانہ اور شرمناک اعمال کے متعلق بیان موجود ہے۔ پو کے مان میں بھی سیاسی حضرات کے اپنے مفاد کے لیے اجتماعی مفاد کی قربانی اور استحصالی رویوں کے متعلق بیان موجود ہے۔ یہ ہمیں آگاہ کرتا ہے کہ کس طرح ہندوستان میں سیاست بے رحم اور مفاد پرست ہے۔

مرزا جاگیرداروں اور سیاستدانوں کے ظالمانہ رویوں اور ہر جائز و ناجائز کا اپنے مفاد کے لیے استعمال کے متعلق بیان کو اپنی کہانی میں شامل کرتے ہیں۔

"اگو گجر کسی زمانے میں بد معاش تھے۔ پھر سیاست میں آگئے اور بڑے بڑے سیاسی لیڈروں کے لیے کام کرنے لگے۔ بہت بڑے بڑے نام لے کر بتایا کرتے تھے کہ وہ اب بھی ان کی کوئی بات ٹال نہیں سکتے۔ لیڈروں کی نجی نوعیت کی شرمناک داستانیں سننے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔" (۵۲)

یہاں مصنف یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ پاکستان کی سیاست میں شریف آدمی نہیں آسکتا۔ بلکہ بد معاش، بگڑے ہوئے نواب اور ظالم جاگیردار ہی سیاست میں حصہ لے سکتے ہیں۔ ساتھ میں یہ بھی بتاتے ہیں کہ ان سیاستدانوں کے اعمال بہت گھٹیا اور شرمناک ہیں۔ ان سیاستدانوں کی سیاسی لڑائی صرف عوام کو لڑانے کے لیے ہوتی ہے۔ حزب اقتدار اور حزب اختلاف کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ آپس میں باہم ایک ہیں۔

ذوقی ہندوستان کی سیاست کا مقروہ چہرہ سامنے لاتے ہیں۔ سیاستدان ووٹ اور کرسی حاصل کرنے کے لیے عوام کی جان و مال اور عزت و آبرو کی پروہ نہیں کرتے۔ بلکہ وقت آنے پر انہی چیزوں کو اپنے ووٹ بنک کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

"منتری جی کی آنکھیں ایک بار پھر آنکھوں میں گھس رہی تھیں۔ میڈیا میں آن دیجئے۔
 خیر کو مت روکیئے۔ پھیلنے دیجئے۔ ارے دس پریس والے کو ہم بھی بولے دیں گے۔ جئے
 چنکی ہمارا آدمی ہے۔ دلت ہے۔ اب ریپ کرنے والا کوئی بھی ہو۔ ہم دلت کی
 Sympathy بٹوریں گے۔ وہ کیا ہے کہ الیکشن نزدیک ہے۔ آپ سمجھتے کیوں
 نہیں۔ منتری جی غصے میں تھے۔ جانیے کیس کا تیا پانچہ کر دیجئے بچہ ہے تو کیا۔" (۵۳)

سیاستدانوں کی خود غرضی اور مفاد پرستی کو بیان کیا گیا ہے۔ جس دلت کو اپنا بولا جا رہا ہے اُسی کی بارہ سالہ بچی کی
 بارہ سالہ بچے کے ساتھ نا سمجھی کی غلطی کو ریپ کا نام دے کر دلت ایشو بنا کر اُن کے ساتھ ہمدردی کو ووٹ کی
 صورت میں سمیٹنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ سیاستدانوں کو کسی کی عزت، جان یا مستقبل کی کوئی پرواہ نہیں اگر
 اُنہیں فکر ہے تو صرف اور صرف اپنی کرسی کی۔

۱۰۔ اخلاقیات

دونوں تصانیف میں اخلاقیات کے متعلق سبق آموز واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ صفر سے ایک تک میں آج کل
 کی جدید ٹیکنالوجی مثلاً میڈیا کے ذریعے ذہنی انتشار جیسی غیر اخلاقی حرکات کے متعلق فلسفیانہ طریقے سے بیان
 کیا گیا ہے۔ ثناء اللہ کے ذریعے جعلی پیروں کی غیر اخلاقی حرکات اور عملیات کے متعلق بھی بتایا گیا ہے۔

"پیر ہی اُسے اس حال کو پہنچانے والا تھا اور اس حال کو پہنچنے والوں کو جو علاج وہ دوسروں
 کو بتاتا تھا وہ ہی جب کسی نے اُس کے بھائی پر آزما یا تو وہ بگڑنے لگا۔ ایسے پیر کا وہی علاج
 ہونا چاہیے تھا۔ جو گامونے کیا۔" (۵۴)

مصنف ان جعلی پیروں کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ اپنے اس کاروبار کو چمکانے کے لیے کئی غیر اخلاقی حرکات
 کرتے ہیں۔ لیکن اگر وہی عمل ان کے ساتھ یا ان کے کسی قریبی کے ساتھ کیا جائے تو ان سے برداشت نہیں
 ہوتا۔ ہمارے لیے اور دوسرے کے لیے معیار مختلف ہے۔ جس طرح ہمیں اپنی جان، مال اور عزت پیاری
 ہے۔ اسی طرح دوسروں کی جان، مال اور عزت کا خیال کرنا بھی ضروری ہے۔

ذوقی نے بھی ہندوستانی معاشرے کو آئینہ دکھاتے ہوئے اخلاقیات کے متعلق مختلف واقعات کو کہانی میں شامل کیا ہے۔

ذوقی نے والدین کی اخلاقیات کو نشانہ بناتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ چونکہ بچے بڑوں سے سبق سیکھتے ہیں لہذا والدین کو اپنی اخلاقیات پر خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ تاکہ بچوں کی اچھی اخلاقی تربیت ہو سکے۔ ذوقی آج کے دور میں بچوں کی گرتی اخلاقی اقدار کے متعلق بہت پریشان ہیں۔ اسی لیے کم عمر بچوں سے ہونیوالی جنسی حرکت کو کہانی کا مرکزی موضوع بنا کر پیش کرتے ہیں۔ حج سنیل کے ذریعے اس غیر خلاقی حرکت کی وجوہات تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

"مجھے قانون کی کتابوں سے زیادہ ضرورت اخلاقیات کی ہے میں قانون سے الگ ہٹ کر اس اخلاقیات اور بچوں کی تعمیر کردہ نئی اخلاقیات کو پڑھنا چاہتا ہوں۔ سمجھنا چاہتا ہوں۔" (۵۵)

ذوقی ہندوستانی معاشرے میں موجود کئی دوسری غیر اخلاقی سرگرمیوں مثلاً جھوٹ اور دھوکہ دہی کی طرف بھی توجہ دلانے کی کوشش کرتے ہیں۔

افتراقات

دونوں نادلوں میں سافٹ سائنس فکشن کے حوالے سے افتراقات مندرجہ ذیل ہیں۔

سائنسی بصیرت

کسی بھی سائنس فکشن نگار کے لیے سائنسی بصیرت کا ہونا ضروری ہے۔ سائنس فکشن ادب کی ایسی صنف ہے جو ادب اور سائنس کے درمیان رابطہ قائم کرتی ہے۔ اس میں سائنسی ایجادات سے متعلق کہانیاں ہوتی ہیں یا پھر سائنس اور ٹیکنالوجی کی نئی اطلاقات اور ان سے متعلق قیاس شامل ہوتا ہے۔ لہذا کسی بھی کہانی میں ان

چیزوں کو شامل کرنے سے پہلے مصنف کے لیے لازمی ہے کہ سائنسی علوم کے متعلق بنیادی آگہی رکھتا ہو۔ اسی سے متعلق خورشید اقبال اپنی تصنیف اردو میں سائنس فکشن کی روایت میں رقمطراز ہیں۔

"ادیب تو کوئی بھی شخص بن سکتا ہے۔ جس کے اندر تخلیقیت موجود ہو۔ لیکن سائنس فکشن نگار بننا ایک مشکل امر ہے۔ اسکے لیے سائنسی بصیرت لازمی شے ہے۔ ہر سائنس فکشن نگار ادیب ہوتا ہے۔ لیکن ہر ادیب سائنس فکشن نگار نہیں ہو سکتا۔" (۵۶)

مرزا اطہر بیگ نے گریجویشن کی ڈگری سائنس کے مضامین میں حاصل کی۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مرزا صاحب سائنس کے متعلق بنیادی معلومات رکھتے تھے۔ مشرف عالم ذوقی نے گریجویشن کی ڈگری آرٹس کے مضامین میں حاصل کی۔ دونوں مصنفوں میں یہ واضح فرق ہے۔

مختصر جائزہ

اس باب میں سائنس فکشن کے عنصر کے تحت دونوں ناولوں کے تقابل سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ دونوں مصنفوں نے مخصوص حالات میں معاشرتی، نفسیاتی، سیاسی اور ثقافتی مسائل کو اپنی کہانی میں بیان کیا ہے۔ دونوں مصنفوں کا خطہ زبان اور دونوں ممالک کا ترقی میں برابر ہونے کی وجہ سے بھی مسائل کے بیان میں اشتراک پایا جاتا ہے۔

دونوں تصانیف کے عنوان کا تعلق ڈیجیٹل ٹیکنالوجی سے ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لکھنے والوں نے ٹیکنالوجی اور اس سے متعلق مسائل سے ہی تحریک حاصل کر کے ان فن پاروں کو تحریر کیا ہے۔ خاص طور پر مرزا اطہر بیگ سائنسی علم و بصیرت رکھنے کی وجہ کہانی میں مسائل کو مخصوص سائنسی اور فلسفیانہ انداز میں بیان کرتے ہیں۔

آج کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی موجود طبقاتی نظام کو دونوں فنکاروں نے بیان کیا ہے۔ مرزا اطہر بیگ نے پاکستان موجود جاگیر دارانہ اور معاشی طبقاتی نظام کو بیان کیا ہے۔ چونکہ مرزا بیگ کا تعلق ایک دیہاتی علاقے سے

ہے اس لیے دیہاتی ماحول اور وہاں پر موجود جاگیر داروں کے ہاتھوں ہونے والے غریبوں کے استحصال کو بیان کیا ہے۔ ذوقی نے اپنے معاشرے میں مذہبی بنیاد پر موجود طبقات اور ان کی وجہ سے نچلے طبقے کے ساتھ ہونے والے استحصالی رویے کو بیان کیا ہے

دونوں ناولوں میں ٹیکنالوجی کی وجہ سے پیدا ہونے والے ثقافتی، نفسیاتی، سیاسی اور اخلاقی مسائل کو بیان کیا ہے

حوالہ جات

- ۱۔ مرزا اطہر بیگ، صفر سے ایک تک، سانجھ پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۰۹ء، صفحہ نمبر ۷
- ۲۔ مشرف عالم ذوقی، پوکے مان کی دنیا، ایجوکیشنل پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۰۲ء، صفحہ نمبر ۱۵۰
- ۳۔ مرزا اطہر بیگ، صفر سے ایک تک، صفحہ نمبر ۱۲
- ۴۔ مشرف عالم ذوقی، پوکے مان کی دنیا، صفحہ نمبر ۱۴۸
- ۵۔ مرزا اطہر بیگ، صفر سے ایک تک، صفحہ نمبر ۱۱
- ۶۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۳۸
- ۷۔ مشرف عالم ذوقی، پوکے مان کی دنیا، صفحہ نمبر ۱۴۸
- ۸۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۱۱
- ۹۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۲۱، ۲۲
- ۱۰۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۱۶
- ۱۱۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۳۲
- ۱۲۔ مرزا اطہر بیگ، صفر سے ایک تک، صفحہ نمبر ۲۷
- ۱۳۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۳۲
- ۱۴۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۱۸۲
- ۱۵۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۱۸۱
- ۱۶۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۱۷۹

Jennifer Walinga and charlesstagur, Introduction to Psychology, Published by Flat world Knowledge L.L.C, 2022, U.S, Page No.2

۱۸۔ مشرف عالم ذوقی، پوکے مان کی دنیا، صفحہ نمبر ۱۸، ۱۹

۱۹۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۲۲

۲۰۔ https://en.wikipedia.org/wiki/Post-traumatic_stress_disorder

,10april,2024,9:pm

۲۱۔ مرزا اطہر بیگ، صفر سے ایک تک، صفحہ نمبر ۳۴۶

۲۲۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۳۴۹

۲۳۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۱۲۶

۲۴۔ مشرف عالم ذوقی، پوکے مان کی دنیا، صفحہ نمبر ۲۲۳

۲۵۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۱۲۱

۲۶۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۱۷۲

۲۷۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۱۰۵

۲۸۔ مرزا اطہر بیگ، صفر سے ایک تک، صفحہ نمبر ۴۶

<https://www.britannica.com/search?query=ethics>,5june,-۲۹

2024, 10:20am

۳۰۔ مشرف عالم ذوقی، پوکے مان کی دنیا، صفحہ نمبر ۳۲

۳۱۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۶۳

۳۲۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۶۵

۳۳۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۷۲

۳۴۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۲۲۱

۳۵۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۱۶۴

۳۶۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۲۸۴

۳۷۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۲۲۹

۳۸۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۲۳۹

۳۹۔ مرزا طہر بیگ، صفر سے ایک تک، صفحہ نمبر ۲۶۱، ۲۶۲

۴۰۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۸

۴۱۔ مشرف عالم ذوقی، پوکے مان کی دنیا، صفحہ نمبر ۱۴۸

۴۲۔ مرزا طہر بیگ، صفر سے ایک تک، صفحہ نمبر ۱۳

۴۳۔ مشرف عالم ذوقی، پوکے مان کی دنیا، صفحہ نمبر ۱۴۸

۴۴۔ مرزا طہر بیگ، صفر سے ایک تک، صفحہ نمبر ۱۱

۴۵۔ مشرف عالم ذوقی، پوکے مان کی دنیا، صفحہ نمبر ۱۴۹

۴۶۔ مرزا طہر بیگ، صفر سے ایک تک، صفحہ نمبر ۳۴

۴۷۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۱۸۱

۴۸۔ مشرف عالم ذوقی، پوکے مان کی دنیا، صفحہ نمبر ۱۵۴

۴۹۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۲۲۱

۵۰۔ مرزا اطہر بیگ، صفر سے ایک تک، صفحہ نمبر ۳۴

۵۱۔ مشرف عالم ذوقی، پوکے مان کی دنیا، صفحہ نمبر ۱۹

۵۲۔ مرزا اطہر بیگ، صفر سے ایک تک، صفحہ نمبر ۴۳

۵۳۔ مشرف عالم ذوقی، پوکے مان کی دنیا، صفحہ نمبر ۱۴۴

۵۴۔ مرزا اطہر بیگ، صفر سے ایک تک، صفحہ نمبر ۳۱۶

۵۵۔ مشرف عالم ذوقی، پوکے مان کی دنیا، صفحہ نمبر ۷۶

۵۶۔ خورشید اقبال، اردو میں سائنس فکشن کی روایت، صفحہ نمبر ۱۳۱

باب سوم

ناول "پو کے مان کی دنیا" اور "صفر سے ایک تک" میں سافٹ سائنس فلکشن کے تحت ٹیکنالوجی کے متعلق قیاس اور انسانی رویوں پر اثرات کا مطالعہ

اُردو لغت کے مطابق قیاس آرائی کا مطلب اندازہ یا تخمینہ لگانے کا عمل خیال دوڑانا یا گمان کرنا ہے۔ قیاس آرائی ایسا عمل ہے جس میں بغیر مکمل ثبوت اور شواہد کے کسی بات یا واقعے کے متعلق محض اندازہ لگایا جاتا ہے۔ اس عمل کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔ حقائق یا معلومات کی کمی کی صورت میں یا مستقبل کی غیر یقینی صورتحال میں کاروباری لحاظ سے مالیاتی منڈیوں میں سرمایہ کار کسی بھی چیز کی قیمت میں کمی یا اضافے کی متعلق گمان کر کے خرید و فروخت کرتے ہیں۔ اسی طرح سائنس کے شعبے میں خیال اور گمان کی بنیاد پر مشاہدات اور پھر تجربات کا عمل شروع ہوتا ہے۔ سائنس اور قیاس آرائی کے درمیان بہت اہم تعلق ہے۔ سائنس میں کسی بھی شے کے متعلق تحقیق کے ابتدائی مراحل میں قیاس آرائی یعنی مفروضہ Hypothesis کا استعمال ہوتا ہے۔ اور یہ تحقیق کا بنیادی نقطہ آغاز ہے۔ کسی بھی حیاتیاتی مسئلہ (بائیولوجیکل پرابلم) کو حل کرنے کی ابتدا مفروضہ ہے۔

“First writers of SF make use of the discoveries, theories, and speculations in the fields of science that appeal to the imagination at the time the story is written.”^(۱)

سب سے پہلے سائنس فلکشن کے مصنفین سائنس کے دائرہ کار میں اُن دریافتوں، نظریات اور قیاس آرائیوں کا استعمال کرتے ہیں جو کہانی لکھنے کے وقت تخیل کو دعوت دیتی ہے۔

فلسفہ کے تحت قیاس آرائی ایک ایسا فکری عمل ہے جس میں کسی بھی پہلے سے موجود معلومات حقیقت یا نظریے کی بنیاد پر صرف عقل اور منطق کے استعمال سے غور و فکر کیا جائے۔ ادب کے تحت قیاس آرائی ایک تخلیقی عمل ہے۔ ادب میں قیاس آرائی انسانی تخیل اور تجربات کو گہرائی میں دریافت کرنے کا آلہ ہے۔ یہ فنکاروں کو حقیقی دنیا کی حدود سے آزاد ہو کر نئی دنیا و امکانات اور خیالات کو بیان کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ قیاس آرائی ہی کی بدولت سائنسدان، فلسفی اور سائنس فکشن نگار کسی مسئلہ کو سلجھاتے یا ممکنہ حل بیان کرتے ہیں۔ ابن صفی کے ایک ناول میں کردار تھریسا اسوقت لیزر بندوق کا استعمال کرتی ہے۔ جب لیزر شعاعیں ابھی تجرباتی مراحل میں تھیں۔

قیاس آرائی کی بدولت متبادل حقیقتیں اور امکانات بیان کرنا، انسانی فطرت اور اخلاقی مسائل کو بیان کرنا، یوٹو پین، اور ڈسٹو پین دنیاؤں کو بیان کرنا، کائنات کی حقیقت اور موت کے بعد زندگی پر فلسفیانہ قیاس آرائی کرنا شامل ہے۔ ادب میں قیاس آرائی کی اہمیت سے انکار نہیں ہو سکتا۔ اس کی بدولت نئے خیالات جنم لیتے ہیں اور انسانی تخیل کی حدود وسیع ہوتی ہیں۔ سماجی اور اخلاقی مسائل بیان کرنے میں ایک اہم ذریعہ ہے۔ مثال کے طور پر جان آرویل کا ناول "۱۹۸۴" قیاس آرائی پر مبنی ایک ڈسٹوپائی معاشرے کے متعلق ہے۔ جس میں افراد کی آزادی ختم ہو چکی ہے اور حکومت اُن پر مکمل اثر و رسوخ رکھتی ہے۔

سائنس فکشن ادب کی ایسی صنف ہے جو ٹیکنالوجی اور سائنس کی بنیاد پر مستقبل کی مختلف دنیاؤں کے تصورات پیش کرتی ہے۔ قیاس آرائی سافٹ سائنس فکشن کی ایک واضح خصوصیت ہے۔ سافٹ سائنس فکشن کے تحت مصنفین ایسی دنیاؤں کا تصور پیش کرتے ہیں جو آج کی حقیقت سے مختلف ہوتی ہیں۔ لیکن مکمل طور پر حقیقت جدا نہیں ہوتیں۔ چونکہ سافٹ سائنس فکشن خاص طور پر فرد اور معاشرتی موضوعات پر توجہ مرکوز کرتی ہے اس لیے ممکنہ دنیاؤں اور حالات کے تناظر میں حالیہ سماجی اور اخلاقی مسائل حل کرنے پر غور کرنے اور تجاویز پیش کرنے میں مدد کرتی ہے۔

مرزا کمپیوٹر ٹیکنالوجی کے استعمال کے متعلق قیاس کرتے ہیں۔ ناول میں سالار برادری کے زمینی ریکارڈ اور کھاتوں کو کمپیوٹر پر منتقل کرنے کے متعلق واقعہ موجود ہے۔ یہ واقعہ ناول کی کہانی میں بہت اہم ہے کیونکہ اسکی وجہ سے کہانی کا منظر یکسر تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ ناول ۲۰۰۹ میں شائع ہوا۔ اُس وقت تک پاکستان میں زمینی ریکارڈ کا کمپیوٹر انڈ نظام موجود نہ تھا۔ مرزا نے اپنے اس ناول کی ذریعے کمپیوٹر ٹیکنالوجی کی مدد سے زمینی ریکارڈ کے نظام کو منظم کرنے کے متعلق جو قیاس کیا وہ چند برسوں کے اندر ہی ثابت ہو گیا۔

"اس پراجیکٹ کا مقصد زمین کے موجودہ دستاویزی ریکارڈ کو کمپیوٹر انڈ کرنا اور ہر تحصیل میں سروس سنٹرز کے ذریعے سائلین کو مطلوبہ سروس کے ذریعے اس ریکارڈ تک عوام کی رسائی کو بہتر بنانا ہے۔ اس منصوبے کے ذریعے ۲۸ مئی ۲۰۱۱ کو موضع کا لیاں ضلع تصور میں مکمل طور پر خود کار نظام کے ذریعے زمین کے پہلے انتقال کے اندراج کی اہم کامیابی حاصل ہوئی ہے۔" (۲)

پاکستان میں حکومت پنجاب نے یہ اقدام دو مراحل میں مکمل کیا گیا۔ پنجاب بھر کی آدھی سے زیادہ تحصیلوں میں پہلے مرحلے میں اراضی ریکارڈ سنٹر قائم کیے گئے اور بقایا تحصیلوں میں اراضی ریکارڈ سنٹر دوسرے مرحلے میں قائم کیے گئے۔

"صوبہ بھر میں اراضی ریکارڈ کی کمپیوٹرائزیشن کا کام تیزی سے جاری ہے۔ ۹۸ تحصیلوں میں اراضی ریکارڈ سینٹر ز پر سروسز کا آغاز قبل از وقت کیا جا چکا ہے۔ جبکہ بقایا ۷۷ تحصیلوں میں اراضی ریکارڈ سینٹر ز جون ۲۰۱۴ تک قائم کر دیئے جائیں گے۔" (۳)

ناول "پو کے مان کی دنیا" میں مصنف مشرف عالم ذوقی نے گلوبلائزیشن کے متعلق قیاس آرائی کی ہے۔ اس قیاس آرائی کے متعلق مزید کچھ کہنے سے پہلے گلوبلائزیشن کی وضاحت ضروری ہے۔

گلوبلائزیشن (Globalization) کے لغوی معنی عالمگیریت کے ہیں۔ اس کا مفہوم ایک ایسا عمل ہے جو دنیا کی اقوام، ممالک، معاشرے، معیشتیں اور ثقافتوں کو باہم منحصر اور ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ مربوط کر دے۔ اس عمل کے ذرائع تجارت اور ٹیکنالوجی ہیں۔ ڈکشنری برائٹنیکا کے مطابق

“Globalization is integration of the world's economics, politics, and cultures” (۴)

گلوبلائزیشن یعنی عالمگیریت دنیا کی معیشتوں، سیاستوں اور ثقافتوں کا باہم انضمام ہے۔

گلوبلائزیشن کی اصطلاح سب سے پہلے ۱۹۸۳ میں جرمن نژاد امریکی پروفیسر اور معیشت دان "تھیوڈور لیوٹ" Theodore Levitt نے متعارف کروائی۔ اگر گلوبلائزیشن کے ذرائع کو دیکھا جائے جن میں تجارت بھی شامل ہے تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل موجودہ یا کسی ماضی قریب کے دور کا نہیں بلکہ عرصہ دراز سے جاری ہے۔ کیونکہ تجارت یعنی اشیائے ضرورت کا لین دین انسان کی ضرورت ہے۔ تجارت مختلف علاقوں اور تہذیبوں کے مابین صدیوں سے جاری ہے۔ اس تجارت کے عمل کی وجہ سے مختلف ثقافتوں، مذاہب اور معیشتوں کا انضمام صدیوں سے جاری ہے۔ البتہ ذرائع نقل و حمل میں ترقی کی وجہ سے اس کے حجم میں اضافہ ہوا ہے۔ یوں ہم گلوبلائزیشن کو تدریجی عمل کہہ سکتے ہیں جو صدیوں پر محیط ہے۔ گلوبلائزیشن کو ترقی اور پھیلاؤ کی بنیاد پر کئی ادوار میں تقسیم کر کے سمجھا جاسکتا ہے۔

۱۔ ابتدائی گلوبلائزیشن (قدیم اور قرون وسطیٰ)

ابتدائی گلوبلائزیشن کی موجب تجارت تھی۔ جس کی وجہ سے اسکی ابتدا قدیم زمانے سے ہوئی۔ اسی تجارت کی وجہ سے مختلف علاقوں اور تہذیبوں کے لوگ باہم مربوط تھے۔ مثلاً سِلک روڈ (Silk Road) ایک اہم قدیم تجارتی راستہ تھا۔ جو یورپ اور مشرق وسطیٰ کو چین اور ہندوستان سے جوڑتا تھا۔ اس کے جیسے کئی اور تجارتی راستے نہ صرف مصنوعات بلکہ خیالات، مذاہب اور ثقافتی عناصر کے پھیلنے کا باعث بنتے تھے۔

۲۔ سامراجی گلوبلائزیشن (پندرہویں صدی سے اٹھارویں صدی)

اس نو آبادیاتی دور میں مختلف یورپی طاقتوں نے دنیا کے مختلف علاقوں میں اپنی نو آبادیاں قائم کیں۔ اس نو آبادیاتی دور نے گلوبلائزیشن کو بڑھانے کے ساتھ ساتھ ایک نئی شکل بھی دی۔ جس میں استحصالی رویہ بھی شامل ہو گیا۔ اس دور میں مہم جوئی کی وجہ سے نئے تجارتی راستے اور انسانی آبادی کے علاقے بھی دریافت ہوئے۔

۳۔ جدید گلوبلائزیشن (اٹھارویں صدی سے بیسویں صدی کے تہائی تک کا دور)

اس صنعتی انقلاب کے دور نے گلوبلائزیشن کے عمل کو تیز کیا۔ جدید مشینری اور ذرائع نقل و حمل میں جدت جیسے ریل گاڑیاں اور بھاپ کے جہازوں نے دنیا کی معیشتوں کو قریب لانے میں کردار ادا کیا۔ صنعتی مصنوعات کی پیداوار اور پھیلاؤ نے معاشی گلوبلائزیشن کی بنیاد رکھی۔ عالمی جنگوں کے بعد عالمی اداروں نے سیاسی گلوبلائزیشن کو جنم دیا۔

۴۔ ڈیجیٹل گلوبلائزیشن (بیسویں صدی کے تہائی سے موجود تک کا دور)

جدید ٹیکنالوجی خاص طور پر انٹرنیٹ نے گلوبلائزیشن کے عمل کو ایک نئی بلندی پر پہنچا دیا ہے۔ انٹرنیٹ اور جدید مواصلاتی ذرائع نے معلومات، تعلیم، کاروبار اور ثقافت کے تبادلے کو بے حد آسان کر دیا ہے۔ ملٹی نیشنل کمپنیاں اور نقل و حمل کے جدید اور تیز ترین ذرائع نے ملکوں، ثقافتوں اور تجارتی منڈیوں کو باہم مربوط کر دیا ہے۔

ڈیجیٹل گلوبلائزیشن کا دور جدید ٹیکنالوجی خاص طور پر انٹرنیٹ سے متصل ہے۔ اس ڈیجیٹل دور میں انٹرنیٹ کے علاوہ باقی ڈیجیٹل میڈیا جن میں ٹی وی چینلز اور فلم انڈسٹری شامل ہیں کا بھی نمایاں کردار ہے۔ اسی کے متعلق مصطفیٰ محمد طحان اپنی تصنیف گلوبلائزیشن دنیا کی تشکیل نو میں لکھتے ہیں۔

"میڈیا نے چار اہم ٹیکنالوجیز کی مدد سے دنیا پر اپنے اثرات کو مستحکم کر لیا ہے۔ جن میں پرنٹ میڈیا، ٹیلی فون، ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ اہم ہیں ان چاروں کی مدد سے گلوبلائزیشن کی تحریک نے اقتصادی سیاسی اور ثقافتی میدان میں اپنی جڑوں کو مضبوط کیا ہے۔" (۵)

یہ جدید ٹیکنالوجیز خصوصاً انٹرنیٹ جوں پھیلتی گئیں اور دنیا کے جس علاقے تک پہنچتی گئیں وہ عالمی ثقافت، معیشت اور سیاست میں جڑتا چلا گیا۔ جنوب ایشیائی ممالک بالخصوص ہندوستان اور پاکستان کی اس ڈیجیٹل گلوبلائزیشن میں شمولیت معلوم کرنے کے لیے ان ممالک میں انٹرنیٹ کی فراہمی کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔ اگر پاکستان میں انٹرنیٹ کی فراہمی کا جائزہ لیا جائے تو ۱۹۹۳ میں اقوام متحدہ کے ترقیاتی پروگرام UNDP کے مالی تعاون سے انٹرنیٹ متعارف کرایا گیا۔ ابتداء میں یہ انٹرنیٹ کی سہولت صرف بڑی کارپوریشن اور بنکوں کو حاصل تھی۔ انٹرنیٹ کی یہ فراہمی بہت مہنگی اور سٹیٹلائٹ کے ذریعے میسر تھی اور اس انٹرنیٹ کی رفتار بھی بہت کم تھی۔ یہ صرف برقی پیغامات وصول کرنے اور بھیجنے تک محدود تھی۔

“The internet industry in Pakistan has come a long way when the first dialup E-mail service was introduced in the country by Imran net 1992-93. Serious support was accorded to E-mail services in Pakistan with the launch of a UNDP funded project called SDNPK-Sustainable Development networking Program in Islamabad in 1993.” (۶)

پاکستان میں انٹرنیٹ انڈسٹری نے ایک لمبا فاصلہ طے کیا ہے جب ۱۹۹۲-۹۳ میں عمران نیٹ کی جانب سے ملک میں پہلی ڈائل اپ ای میل سروس متعارف کروائی گئی۔ پاکستان میں ای میل خدمات کو سنجیدہ حمایت اس

وقت حاصل ہوئی جب 1993 میں اسلام آباد میں اقوام متحدہ کے ترقیاتی پروگرام (UNDP) کے تحت فنڈ کیے گئے ایک منصوبے "ایس ڈی این پی کے - پائیدار ترقیاتی نیٹ ورکنگ پروگرام" کا آغاز کیا گیا۔

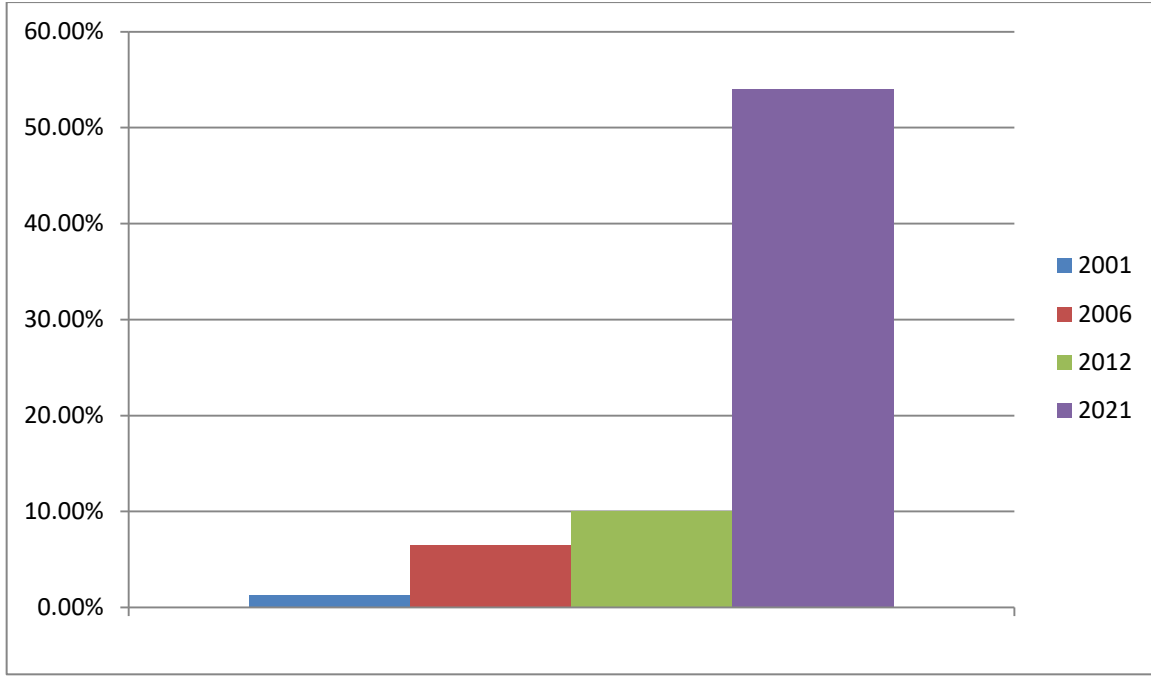
پاکستان میں انٹرنیٹ کی سروس کی تیز اور سستی فراہمی ۲۰۰۶ کے بعد شروع ہوئی جب پاکستان کو سمندر میں زیر پانی فائبر آپٹک تار کے ذریعے انٹرنیٹ کی فراہمی شروع کی گئی۔

“2006 Tran world Associates launched
Pakistan’s first alternate submarine cable
linking Karachi to UAE” (۷)

2006 میں، ٹرانس ورلڈ ایسوسی ایٹس نے پاکستان کی پہلی متبادل سب میرین کیبل کا آغاز کیا، جو کراچی کو متحدہ عرب امارات سے جوڑتی ہے۔

۲۰۰۶ کے بعد سے انٹرنیٹ کی فراہمی عام عوام کو میسر آئی جسکی وجہ سے سوشل میڈیا اور ڈیجیٹل گلوبلائزیشن کو عروج حاصل ہوا اس کے نتیجے میں عالمگیر معاشرے وثقافت اور سیاست کے ساتھ جڑنا ممکن ہوا۔ وکی پیڈیا کے مطابق پاکستان میں انٹرنیٹ صارفین کی تعداد کچھ یوں ہے۔

“In 2001 just 1.3% of population used internet,
by 2006 this figure had grown to 6.5% and in
2012 to 10%. As of July 2021, the percentage
of internet user in Pakistan is 54% which
translates in approximately 118 million citizens
having access to internet.” (۸)



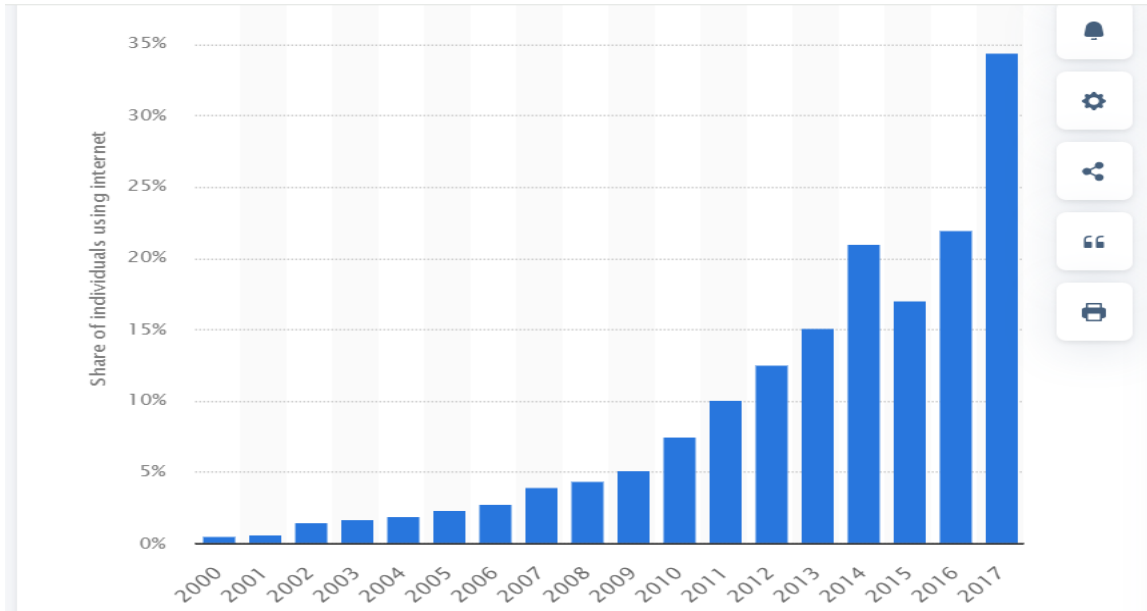
ہندوستان میں انٹرنیٹ کی فراہمی اقوام متحدہ کے مالی تعاون کی مدد سے UNDP کے تحت ۱۹۸۶ میں شروع ہوئی۔ ابتدائی طور پر مہیا کی جانے والی یہ سروس بھی Dial-up E-mail سروس تھی اور مخصوص سرکاری اداروں کو مہیا تھی۔

"The history of the Internet in India began with the launch of the Educational Research Network (ERNET) in 1986. The network was made available only to educational and research communities. ERNET was initiated by the Department of Electronics (DoE), with funding from the Government of India and United Nations Development Program (UNDP)". (۹)

۱۵ اگست ۱۹۹۵ء کو وڈیش سنچاری نگام لمیٹڈ نے انٹرنیٹ کی سہولت عام عوام کو فراہم کر دی۔ لیکن یہ سروس بہت سست رفتار اور مہنگی ہونی کی وجہ سے بہت مخصوص تنظیموں اور کمپنیوں تک محدود تھی۔

“It was on August 15, 1995 Videsh Sanchar Nigam Limited (VSNL) formally launched the Internet for the Indian public.” (۱۰)

وکی پیڈیا کے مطابق ۲۰۲۳ء میں ہندوستان میں انٹرنیٹ استعمال کرنے والوں کی تعداد ۹۰۰ ملین ہے۔ ”August 1995. By 2023, India had more than 900 million Internet users.” (۱۱) سال ۲۰۲۳ء کے مطابق ہندوستان کی آبادی ۱۴,۲۸,۰۶۹,۵۹۶ ہے۔ اس آبادی کے لحاظ سے انٹرنیٹ استعمال کرنے والوں کی تعداد کل آبادی کا ۶۳٪ ہے۔ Statista.com کے مطابق ہندوستان میں ۲۰۰۴ء تک انٹرنیٹ استعمال کرنے والوں کی تعداد ۱.۹۸٪ تھی۔ مزید وضاحت کے لیے Statista.com سے گراف حاصل کیا گیا ہے۔



(۱۲)

دور جدید کی ڈیجیٹل گلوبلائزیشن جس کا براہ راست تعلق انٹرنیٹ سے ہے کے متعلق ذوقی نے قیاس آرائی کی ہے۔ ان مندرجہ بالا اعداد و شمار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ذوقی نے اپنے ناول میں جو کہ ۲۰۰۴ء میں منظر عام پر آیا جس گلوبلائزیشن کا ذکر کیا ہے۔ وہ آج ہندوستان میں موجود ہے۔ ہندوستان کی نصف سے زیادہ آبادی انٹرنیٹ کے ذریعے عالمی تہذیب و ثقافت سے جڑ کر عالمگیر معاشرے کا حصہ بن چکی ہے۔

(الف) نفسیات اور سیاست ترسیل معلومات سرمایہ داری اور صارفیت پر اثرات

فرد اور معاشرہ دونوں موجودہ دور میں ٹیکنالوجی سے نفسیاتی طور پر متاثر ہوئے ہیں۔ ڈیجیٹل آلات جیسے سمارٹ فونز اور میڈیا خاص طور پر انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے استعمال میں تیزی سے اضافے کی وجہ سے معاشرتی رویے اور انفرادی ذہنی حالت میں کئی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ یہ تبدیلیاں مثبت اور منفی دونوں پہلو رکھتی ہیں۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ موجودہ دور کی ٹیکنالوجی نے انسانی زندگی میں بہت زیادہ سہولتیں پیدا کر دی ہیں۔ آج انسان نے جو بھی ٹیکنالوجی ایجاد کی ہے، اُسکی بنیادی وجہ جسمانی و ذہنی آسودگی اور حفاظت ہے۔ لیکن یہ ٹیکنالوجی ہمیں فائدہ دینے کے ساتھ ضمنی طور پر کچھ نقصانات بھی پہنچا رہی ہے۔ جہاں ٹیکنالوجی نے دور دراز کے لوگوں کو سماجی طور پر جڑنے کے لیے مختلف پلیٹ فارم مہیا کر دیئے ہیں، وہیں پر تنہائی کے احساس کو بھی بڑھایا ہے۔ لوگ میڈیا اور سوشل میڈیا کے ذریعے تو جڑنا پسند کرتے ہیں لیکن طبعی طور پر حقیقی رابطوں میں کمی واقع ہو رہی ہے۔ اسی طرح ویڈیو گیمز بھی مثبت اور منفی دونوں طرح کے اثرات رکھتی ہیں۔ ان اثرات کے پیدا ہونے میں کھیلنے والے کی عمر کھیل کا دورانیہ اور کھیل کی نوعیت بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ ایک طرف تو یہ ویڈیو گیمز ذہنی اور سیکھنے کی صلاحیتوں کو بڑھانے میں مدد کرتی ہیں تو دوسری طرف پر تشدد رویے اور ذہنی و جسمانی مسائل بھی پیدا کرتی ہیں۔

مرزا نے ٹیکنالوجی کے اثرات کے متعلق آگہی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، انہوں نے ٹیکنالوجی کے مثبت اور منفی دونوں قسم کے اثرات کو کہانی میں مختلف واقعات کی مدد سے بیان کیا ہے۔

"جب فیضان سالار نے اپنا پہلا تحقیقی مقالہ لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اُسے کہیں سے بھنک پڑی کہ ماوس کی کلک سے کھل جانے والی یہ عظیم الشان لائبریری تحقیقی مواد اور حوالہ جات ڈھونڈنے کے لیے ایک حیرت انگیز وسیلہ ہے۔" (۱۳)

مصنف نے اس پیرامیٹرس کمپیوٹر اور انٹرنیٹ ٹیکنالوجی کے مثبت پہلو کی طرف توجہ دلوائی ہے کہ کس طرح آج کل اس جدید ٹیکنالوجی نے علم سیکھنے اور حاصل کرنے کی رسائی میں اضافہ کیا ہے۔ دنیا بھر سے آن لائن تعلیمی مواد کی بہ آسانی دستیابی معلومات اور نئی مہارتوں کی آسانی سے رسائی نے انسان کی ذہنی صلاحیتوں کو بڑھا کر سیکھنے کا رجحان پیدا کیا ہے۔ پوری دنیا کا علمی مواد دنیا کے ہر کونے میں اس ٹیکنالوجی کی بدولت دستیاب ہے۔ عالمگیریت کی اس معلوماتی اور علم کی فراہمی کی شکل نے دنیا میں نفسیاتی برابری پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ آج کل کے اس جدید ٹیکنالوجی کے دور میں تعلیم کے حصول کے لیے دور دراز سفر کرنے کی ضرورت نہیں آن لائن پلیٹ فارمز کی مدد سے گھر بیٹھے یہ مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے۔

"منیر کے باپ کے پھانسی چڑھنے کے بعد ایف۔ اے میں کمپیوٹر سائنس کی تیاری کرنے کی بجائے گھنٹوں ڈاکٹر متین کے نیٹ کیفے اینڈ گیم سینٹر میں بیٹھا Tekken نامی ویڈیو گیم کھیلتا رہتا اور Direction Keys کی کلک کلک سے مسلسل خونخوار شکلوں اور بھیانک قوتوں کے حامل دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کی کوششیں کرتا رہتا۔ ایک دن پتہ نہیں اُسے کیا ہوا کہ گیم سنٹر چھوڑ کر وہ گیا اور ڈائریکشن کیز کی بجائے پستول کے ٹریگر کلک کلک سے اُس نے کونسلر اور اُس کے دولوگوں کو گولی ماری پھر سیدھا تھانے چلا گیا اور کہنے لگا ہاں اب دو مجھے پھانسی" (۱۴)

مصنف ٹیکنالوجی کے منفی پہلو کو بیان کرتے ہوئے ویڈیو گیمز کے نفسیات پر منفی اثرات کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

“One study reveals that young men who are habitually aggressive may be especially vulnerable to the aggression-enhancing effects of repeated exposure to violent games, said psychologists Craig A Andersen Ph.D. and Karen E Dill, Ph.D. The other study reveals that even a brief exposure to violent video games can temporarily increase aggressive behavior in all types of participants.” (۱۵)

ایک تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ جو نوجوان عادتاً جارحانہ ہوتے ہیں وہ خاص طور پر پر تشدد کھیلوں کے بار بار نمائش کے جارحیت بڑھانے والے اثرات کا شکار ہو سکتے ہیں۔ ماہرین نفسیات کریگ اے اینڈرسن، پی ایچ ڈی اور کیرن ای ڈیل، پی ایچ ڈی نے کہا دوسرے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ پر تشدد ویڈیو گیمز کی ایک مختصر نمائش بھی تمام قسم کے شرکاء میں جارحانہ رویے کو عارضی طور پر بڑھا سکتی ہے۔

کمپیوٹر، موبائل اور انٹرنیٹ ٹیکنالوجی کے استعمال کے تحقیقاتی ادارے کے ۲۰۱۷ء کے سروے کے اعداد و شمار کے مطابق پوری دنیا میں ویڈیو گیمز کھیلنے والوں کی تعداد ایک ارب ہے اور ویڈیو گیمز کی سالانہ فروخت اکھرب ڈالر تک پہنچ چکی ہے۔ کمپیوٹر اور موبائل پر گیمز کی دستیابی نے بچوں کے لیے اسکو کھیلنا مزید آسان کر دیا ہے۔ آن لائن گیمز کے ذریعے دو یا دو سے زیادہ افراد گیم میں حصہ لے سکتے ہیں۔ خاص طور وہ گیمز جن میں اشتعال انگیزی اور مار دھاڑ ہو بچوں میں اشتعال انگیزی پیدا کرتی ہیں۔ ان گیمز کی وجہ سے بچوں کے رویے میں غصہ، چیڑ چیڑاپن اور شدت و انتہا پسندی پیدا ہو جاتی ہے۔ بچے ہر وقت گولہ بارود اور مار دھاڑ دیکھنے کی وجہ سے ایسی چیزوں میں دلچسپی پیدا کرنے لگتے ہیں۔ ایسی گیمز میں جیت کی خواہش اور شکست کا خوف بچوں کی نفسیات بہت زیادہ متاثر کرتا ہے۔

جولائی ۲۰۲۰ء میں لاہور میں ایک نوجوان نے PUBG آن لائن گیم کا ٹاسک مکمل نہ ہونے پر خودکشی کر لی تھی۔ ڈان اخبار کی رپورٹ کے مطابق نوجوان کے پاس خودکشی کا نوٹ بھی موجود تھا۔ جس میں اُس نے PUBG کو قاتل گیم قرار دیا تھا۔ ڈان اخبار کے مطابق PUBG آن لائن گیم پر ۲۰۱۹ء میں اُردن اور بھارت میں حکومت کی طرف سے پابندی لگادی گئی تھی۔ اور ۲۰۲۰ء میں پاکستانی حکومت نے اس گیم پر عارضی پابندی عائد کی تھی۔ مصنف نے اپنے ناول میں ویڈیو گیمز کے ان نفسیاتی اثرات کے متعلق پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا۔ ذوقی نے ٹیکنالوجی کے نفسیات پر منفی اثرات کو کہانی میں بڑی تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ ساتھی ہی آج کی جدید ٹیکنالوجی کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے مثبت اثرات کے متعلق بھی معمولی آگاہی دیتے ہیں۔

"میری یہ پرانی عادت ہے۔ تھک جاتا ہوں، ہار جاتا ہوں تو انٹرنیٹ پر بیٹھ جاتا ہوں۔

زیادہ تر لیگل ڈاٹ کام آن کر کے قانون کے بارے میں نئی نئی جان کاریاں حاصل کرتا

رہتا ہوں۔" (۱۶)

مصنف انٹرنیٹ کو اپنی سوچ اور علم کو وسیع کرنے کا وسیلہ بتاتے ہیں۔ انٹرنیٹ ایک ایسا پلیٹ فارم ہے جہاں آپ کو ہر شعبے کے متعلق علم اور تازہ ترین معلومات دستیاب ہوتی ہیں۔ انٹرنیٹ کے ذریعے نئی تحقیقات کی فراہمی سے علمی معیار بلند اور دائرہ وسیع ہوتا ہے۔ جاننے کی کھوج انسانی فطرت میں شامل ہے۔ یہ ایک ایسی جبلت ہے، جو انسان کو زیادہ سے زیادہ معلومات جاننے اور علم کی تہہ تک جانے پر مجبور کرتی ہے۔ جس سے شعور خود اعتمادی اور مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ جو نفسیاتی معیار کے بنیادی عوامل ہیں۔

ذوقی ٹیکنالوجی کے نفسیات پر منفی اثرات کو تفصیلاً بیان کرتے ہیں۔ بنیادی طور پر اس ناول کا نام بھی ایک ویڈیو گیم کے کردار کے نام پر رکھا گیا ہے۔ "پو کے مان" ایک جاپانی کمپنی کے تیار کردہ کارٹون ویڈیو گیم کے کردار کا نام ہے "پو کے مان" پاکٹ ماسٹر کا مخفف ہے۔ اس گیم کو ٹریڈنگ کارڈ گیم بھی کہتے ہیں۔ یہ گیم ۱۹۹۶ء میں تیار کی گئی۔ اس گیم کی ویڈیوز کے ساتھ اس کے کرداروں کے کارڈ بھی بازار میں دستیاب ہوتے ہیں۔ ان کارڈز پر اُن کرداروں کے نام اور مزید کچھ معلومات بھی درج ہوتی ہیں، اور ساتھ میں تصویر بھی شائع ہوتی ہے۔

مصنف اس ویڈیو ویب گیم اور اسکا دلدادہ روی کیچن کے ذریعے قارئین کو ویڈیو گیمز کے منفی اثرات اور بچوں میں پیدا ہونے والے نفسیاتی و جسمانی مسائل سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں۔

"یو نواگل میں پہلے ڈرپوک تھا۔ چھوٹا تھا۔ بہت ڈرپوک۔ ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جاتے ہوئے ڈر لگتا تھا۔ مگر اب نہیں۔ اب تو مجھے یہی سب چاہیے۔ دی لارڈ آف رنکس۔ چارلیز اینجل۔ سپنٹر سیل۔ بیٹ مین۔ اسپائیڈر مین۔ حلک۔ اب مجھے ڈر نہیں لگتا۔ میں بہادر بننا چاہتا ہوں۔ انہی جیسا پوکے مان جیسا۔" (۱۷)

مصنف آج کے بچوں کی دلچسپی کے متعلق بتاتے ہیں کہ میڈیا اور انٹرنیٹ ٹیکنالوجی کے جدید دور میں بچے حقیقت کی دنیا سے کٹ چکے ہیں۔ وہ فینٹسی کی دنیا میں جی رہے ہیں۔ اُن کے لیے مثالی کردار گوشت پوشت کے انسان نہیں بلکہ مافوق الفطرت کردار ہیں۔ بچے فلمیں، کارٹون اور ویڈیو گیمز دیکھ دیکھ کر فینٹسی کے دلدادہ ہو چکے ہیں۔ وہ کمپنیاں جو یہ فلمیں، ویڈیو گیمز اور کارٹونز بناتی ہیں۔ انہیں صرف اپنے کاروبار اور پیسہ کمانے کی فکر ہے۔ اس بات سے اُن کا کوئی سروکار نہیں کہ بچوں کے ذہن اور نفسیات میں کیا معیارات قائم ہو رہے ہیں۔

"اور یہ ایک ڈریگن پوکے مان بھی مانا جاتا ہے، ڈریگن آپ سمجھتے ہیں نا!

وہ ہنس رہا تھا، کبھی کبھی میری ڈریگن بننے کی خواہش ہوتی ہے۔ ڈریگن اچھا لگتا ہے نا!، سب کو مار بھاتا ہے۔ سب پر اٹیک کرتا ہے۔

ایک کرنا اچھا ہوتا ہے؟

کیوں نہیں۔

تم کسی ایک کرنا چاہو گے؟

کیوں نہیں ہر پوکے مان ایک کرتا ہے۔

تم جانتے ہو، ایک کرنا کیا ہوتا ہے؟

ہاں سامنے والے کو مار دینا Kill کرنا۔ وہ بڑے آرام سے کہ رہا تھا۔ دشمنوں پر اٹیک تو کرنا پڑتا ہے نا!

نہیں۔

کیوں نہیں سامنے والا اگر آپ کو مار رہا ہے، تو آپ دیکھتے رہو گے" (۱۸)

مصنف کارٹون اور ویڈیو گیمز کے نفسیاتی اثرات بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کو دیکھنے کی وجہ سے بچوں میں تشدد پسندانہ رویہ پیدا ہو رہا ہے۔ ویڈیو گیمز اور کارٹونز میں جارہیت دیکھنے پر بچے ہر مسئلے کا حل جارحانہ رویے میں تلاش کرتے ہیں۔ ہار اور جیت کے کھیل جو ان کارٹونز اور ویڈیو گیمز میں دکھائے جاتے ہیں بچوں کی نفسیات کو بہت زیادہ متاثر کرتے ہیں۔ یہ ہار اور جیت کا نظریہ بچوں میں ہار سے نفرت اور جیت کی ایسی لگن پیدا کرتا ہے۔ جسے وہ ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ بے شک کسی کی یا اپنی جان ہی کیوں نہ لینی پڑے۔

انسانی معاشرت میں سیاست ایک اہم شعبہ ہے۔ جس میں حکومتی ڈھانچے اور اجتماعی فیصلوں کی تشکیل ہوتی ہے۔ سیاست کا واسطہ براہ راست عوام، عوامی مسائل اور حکومتی نظام سے ہوتا ہے۔ سیاست میں اطلاعات اور خبروں کی فراہمی، رائے عامہ کی تشکیل، کارکردگی، احتساب، عوامی مسائل کی نشاندہی اور انتظامی مہمات وغیرہ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اسی بناء پر ٹیکنالوجی کا سیاست پر بہت گہرا اثر ہے۔ یہ اثر مثبت اور منفی دونوں طرح کے اثرات رکھتا ہے۔ ٹیکنالوجی نے سیاسی عمل اور طرز حکومت کو دنیا بھر میں ایک نئے انداز میں تشکیل دیا ہے۔ جیسے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کا سیاست میں بہت موثر اور اہم کردار ہے۔ ان دونوں ذرائع کی بدولت عوامی مسائل، سیاسی معلومات کی ترسیل، عوامی رائے کی تشکیل اور حکومتی کارکردگی کی جانچ میں آسانیاں پیدا ہوتی ہیں۔ انہی ذرائع نے سیاست میں عوامی شمولیت کو بڑھایا ہے۔ ٹیکنالوجی نے عوامی آگہی اور عوام تک معلومات کی رسائی کو آسان بنا دیا ہے۔ اسی طرح ترسیل معلومات کے ان جدید ذرائع نے بیانیہ سازی، پروپیگنڈہ اور بے بنیاد جھوٹ کو بھی موقع فراہم کیا ہوا ہے۔

“Media can conceal facts and project doctored ideas to influence the electorate and thereby the voting outcome. Values like objectivity and truthfulness in presentation of news and ideas can be totally done away with the corporate giants have also engaged in severe competition among themselves dishing out news and content which is primarily dominated sensationalization, sleaze and glitz to capture under markets. The disturbing trend that has emerged in the present media scenario is the use of media in the battle between rival political groups.”(۱۹)

میڈیا حقائق کو چھپا سکتا ہے، اور عوام پر اثر انداز ہونے اور اسی طرح ووٹنگ کے نتائج کو متاثر کرنے کے لیے تیار کردہ خیالات پیش کر سکتا ہے۔ خبروں اور خیالات کی پیشکش میں غیر جانبداری اور سچائی جیسی قدریں مکمل طور پر ختم کی جاسکتی ہیں۔ کارپوریٹ بڑی کمپنیاں بھی آپس میں شدید مقابلے میں ملوث ہیں اور خبروں اور مواد کو ایسے انداز میں پیش کر رہی ہیں۔ جس میں سنسنی خیزی، بے ہودگی اور چمک دمک غالب ہے۔ تاکہ بڑے پیمانے پر مارکیٹ کو اپنی طرف متوجہ کیا جاسکے۔ موجودہ میڈیا منظر نامے میں تشویش ناک رجحان یہ سامنے آیا ہے کہ مخالف سیاسی گروہوں کے درمیان جنگ میں میڈیا کا استعمال کیا جا رہا ہے۔

ذوقی ٹیکنالوجی خاص طور پر میڈیا کے سیاست پر اثرات اور سیاست کے ساتھ گٹھ جوڑ کو بیان کرتے ہیں۔ ذوقی اپنے ناول میں میڈیا کا منفی کردار اجاگر کرتے ہیں۔ وہ میڈیا کو سیاست کا سہولت کار بیان کرتے ہیں، جو ایسے ذاتی

اور سیاستدانوں کے مفاد کی خاطر خبریں تجزیے اور مباحثے پیش کرتا ہے۔ خبر کو پیش کرنے کا انداز سننے اور دیکھنے والوں میں تحریک پیدا کرنے کے جتنا اثر رکھتا ہے۔ اس کے لیے کسی نجی یا معمولی بات کو غیر معمولی مسئلہ بنا کر پیش کر کے عوامی مسئلہ بنا دیا جاتا ہے۔ جس کا بالواسطہ فائدہ کسی تیسرے فریق کو حاصل ہو رہا ہوتا ہے۔

"یہ معاملہ ایک پولیٹیکل ایشو بن سکتا ہے۔ بن رہا ہے۔ بھی ایک کتاب پڑھی تھی۔ جارج آرویل کی ۱۹۸۴ء آپ نے پڑھی مس میری فرنانڈس؟ نو۔۔۔۔۔ نو سر پڑھیے گا۔ اس میں ایک چہرہ تھا بگ برادر کا۔ یہ بگ برادر سماج سے سیاست تک ہر مورچے پر ہمارے ساتھ ہے۔ موبائل اٹھائیے فون اٹھائیے۔ ایک آواز آپکو چونکا دیتی ہے۔ ہم بول رہے ہیں۔ پردھان منتری بول رہے ہیں۔ کیوں بول رہے ہیں۔ اس لیے کہ الیکشن نزدیک ہے۔ الیکشن میں سارے اصول بیچے جائیں گے۔ وہ بگ برادر کی طرح آپ اور آپ کی سوچ پر ناگ کی طرح قبضہ جما کر بیٹھ جائیں گے۔ الیکشن میں سب جائز ہے۔ ایک چھوٹا سا بچہ بھی پبلک ایشو بن سکتا ہے" (۲۰)

مصنف اس پیرے میں روی اور سونالی سے انجانے میں ہو جانے والے واقعے کو سیاستدانوں کی طرف سے ایشو بنانے یا یوں کہیے کہ اُن کے نجی معاملے کو عوامی مسئلہ بنانے کی کوشش کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ساتھ ہی جارج آرویل کے ناول ۱۹۸۴ء جو کہ ایک سافٹ سائنس فکشن ڈسٹوپی ناول ہے کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔ اس ناول میں سخت ترین آمرانہ حکومت میں کنٹرول معاشرے کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ حکومت کاشہریوں کی سوچ خیالات اور اعمال کو قابو میں رکھ سکے کی بدولت اُن کی زندگیوں پر مکمل اختیار حاصل ہے۔ جسکی وجہ سے اُنکی ذاتی آزادی ختم ہو چکی ہے۔ کہانی میں مرکزی کردار ونسٹن سمٹھ ایک عام آدمی حکومت کے اختیار میں ہے، حکومت کو پارٹی کا نام دیا گیا ہے۔ حکومت کا سربراہ بگ برادر ہے جس کے اختیار میں تمام معاملات ہیں پارٹی کا نعرہ جہالت طاقت ہے۔ آزادی غلامی ہے اور جنگ امن ہے کا ہے۔ پارٹی ڈبل تھنک (Double Think) کی جیسی تکنیک کے ذریعے عوام میں متضاد خیالات پیدا کر کے انہیں اندھیرے میں رکھتی ہے اور پروپیگنڈا اور حقائق کو مسخ کرنے جیسے ہتھیار بھی استعمال کرتی ہے۔ مرکزی کردار ونسٹن ان ظالمانہ پالیسیوں کے

خلاف بغاوت کرتا ہے۔ مگر جلد ہی خفیہ ادارے اُسے پکڑ کر سخت تشدد کا نشانہ بناتے ہیں۔ اور آخر کار ولسٹن پارٹی کے نظریات کو ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

"یہ تمہارے بی بی نے کیا کیا بیچنے کا فیصلہ کر لیا ہے ایک چھوٹے سے بچے کو بھی ایشو بنا لیتے ہیں۔ یہ سالے حرامی نیتا۔۔۔ نہ آگے دیکھتے، نہ پیچھے۔ اب یہ دیش تو دیش قانون کو بھی اپنی پارٹی کے حساب سے چلائیں گے" (۲۱)

مصنف کی بیچنے سے مراد وہ خبریں ہیں جو میڈیا والے کسی کی ایما پر بیچتے ہیں۔ سیاستدانوں کے بگ برادر جیسے ظالمانہ رویے کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ جو ملک تو کیا ملک کے قانون کو بھی اپنی مرضی سے چلاتے ہیں۔ اور بچوں پر بھی رحم نہیں کرتے ہیں۔ اپنے سیاسی فائدے کے لیے بچوں کو بھی استعمال کرتے ہیں۔

"نابالغ لڑکی کے ساتھ بلا تکار۔ نیشنل ٹائمز رپورٹر کی خبر نے ہمیں ایک دم چونکا دیا۔ اب ظاہر تھا یہ سارا معاملہ سامنے آچکا تھا۔ میڈیا جو ایسی خبریں فروخت کرتا ہے۔ میڈیا سرخیوں کے اس خبر کو لپکے گا۔ رپورٹر نے انتہائی بھدے اور غلط طریقے سے ایک غلط ہیڈنگ لگائی تھی۔ اس پورے معاملے کو دولت بھاوناسے جوڑ دیا گیا تھا" (۲۲)

چاہے اخباری نمائندے ہوں یا خبر رساں ٹی وی چینلز انکا خبر بیان کرنے کا جارحانہ انداز معاشرے میں ہیجان کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔ روی اور سونالی کے واقعے کو دولت ذات کے ساتھ بہت بڑی زیادتی قرار دیا جا رہا ہے۔ جو معاشرے میں انتشار کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ اس واقعے کو میڈیا کے ذریعے عوامی مسئلہ بنا کر سیاسی فائدہ تو حاصل ہو جائے گا لیکن اس کا معاشرے کی نفسیات اور لوگوں کے ذہنوں پر کیا اثر پڑے گا۔

"تم ساری دلیلیں دے چکے ہو نکھل۔۔۔ کیا ملا؟ یہ معاملہ ہمارا تمہارا ہے یا کورٹ کا نہیں۔۔۔ ایکشن اور پارٹی کا ہے۔ پارٹی کے پاس دولت بینک نہیں ہے۔ پارٹی اس ایشو کو دولت بینک بنانا چاہتی ہے۔" (۲۳)

ذوقی یہ بتاتے ہیں کہ سیاستدان اپنی سیاسی ساکھ اور ووٹ کی خاطر کسی بھی انسان کو سیاست کی بھیڑ چڑھا سکتے ہیں۔ معاشرے میں فرقہ بندی اور منافرت پیدا کر کے سیاسی ہمدردی حاصل کرتے ہیں۔ اسکی خاطر کسی بھی نجی یا ذاتی نوعیت کے معاملے کو ہوا دے کر علاقائی یا نسبی مسئلہ ہی کیوں نہ بنانا پڑے۔

"مجھے بھی ایسا لگتا ہے خبر پھیلنے ہی چینلس والے انٹرویو لینے پہنچ جائیں گے۔ لڑکی کا کیا ہو گا۔ بھگوان جانے۔ یہ جے چنکی رام سے بہتر کون جانے گا۔ جو پارٹی کے لیے کام کر رہا ہے۔ لیکن لڑکے کو تو بھگوان بھی نہیں بچا سکتا۔۔۔ خبر لیک ہوتے ہی چینلز والے اسے چوبیس گھنٹے دکھایا جانے والا بھیانک ایڈیٹور بنادینگے۔" (۲۴)

ذوقی خبر رساں چینلز کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ خبروں کو بار بار اور بھیانک انداز سے بیان کر کے سننے اور دیکھنے والوں کو اُس مسئلے پر اُسی انداز سے سوچنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

"تہذیب گئی۔۔۔ سنکار ختم۔۔۔ اسکول جانے والے بچوں پر بھی بھروسہ مت کرو۔۔۔ یہ بھی ایک سویا ہوا راک چھس ہو سکتا ہے۔ آپ جانتے ہیں۔۔۔ یہ ساری باتیں کتنا غلط massage convey کریں گے۔۔۔ کس طرح کا Terror اسکول اور گھروں میں چھاجائے گا۔" (۲۵)

ذوقی خبر رساں چینلز اور اخبار کو دہشت پھیلانے کا آلہ کار کہتے ہیں۔ جدید تحقیق کے مطابق ٹی وی چینلز پر جرائم کی خبریں انسانی نفسیات کو متاثر کرتی ہیں۔ خوف اور پریشانی کی کیفیت پیدا کرتی ہیں۔

ترسیل معلومات کے عمل پر ٹیکنالوجی نے ہمہ جہتی اور گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ ٹیکنالوجی نے معلومات تک رسائی کو آسان بنانے کے ساتھ ترسیل کے طریقوں اور رفتار کو جدید اور تیز بنایا ہے۔ خاص طور پر رفتار ایک ایسی نمایاں بہتری ہے جو ٹیکنالوجی نے مواصلات کو عطا کی ہے۔

الیکٹرونک گراہم ہیل کے ٹیلیفون ایجاد کرنے سے پہلے پیغامات کی ترسیل ایک مشکل، محنت طلب اور وقت درکار عمل تھا۔ ٹیلیفون کی ایجاد نے پیغامات کی ترسیل کو فوری اور باآسانی ممکن کیا۔ اس ایجاد نے زندگی کے ہر شعبے میں انقلاب برپا کیا ہے۔ گھر ہو یا کاروبار امن ہو یا جنگ اور صحت ہو یا تعلیم غرض ہر شعبے میں جدید مواصلات نے سہولت مہیا کی ہے۔ ٹیلیفون کی مزید ترقی یافتہ شکل موبائل اور سمارٹ فونز کی ایجاد نے پیغامات کی ترسیل اور معلومات کی دستیابی کو انسانی جیب میں پہنچا دیا ہے۔ انٹرنیٹ اور سمارٹ فونز کی بدولت معلومات کی فوری دستیابی ممکن ہو گئی ہے۔ ٹیکنالوجی کے میدان میں ترقی کی بدولت ترسیل ذرائع کے میدان میں تنوع پیدا ہوا ہے۔ معلومات کے ان نئے ذرائع کا انداز ترسیل اور پیش کرنے کا طریقہ بھی جدا ہے۔ جیسے بلاگز ویڈیوز پوڈکاسٹس اور سوشل میڈیا وغیرہ۔ تعلیم اور تحقیق کے لیے ڈیجیٹل لائبریریاں، آن لائن کورسز اور ای لرننگ کی بدولت ترسیل علم میں انقلاب آیا ہے۔ ترسیل معلومات کے جدید ذرائع نے مختلف ثقافتوں اور معاشرتی اقدار کو قریب لانے میں مدد کی ہے۔ جسکی وجہ سے ایک دوسرے کی ثقافت کو سمجھنے اور تبادلہ میں اضافہ ہوا ہے۔ ان تمام فوائد کے ساتھ ترسیل معلومات کے ان جدید ذرائع کے مضر اثرات بھی ہیں۔ ایک طرف ٹیکنالوجی نے ترسیل معلومات کی دستیابی کو آسان بنا دیا ہے۔ لیکن وہیں غلط معلومات اور افواہوں کے پھیلنے میں بھی آسانی پیدا کر دی ہے۔ جسکی وجہ سے معلومات کی تصدیق ضروری ہو گئی ہے۔ غلط معلومات، پروپیگنڈہ اور افواہوں کے فرد اور معاشرے پر اپنے مخصوص اثرات ہیں۔

مرزا ٹیکنالوجی کے ترسیل معلومات پر اثرات کو بیان کیا ہے۔ موبائل اور ٹیلیفون کے متعلق فلسفیانہ انداز میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"ٹیلی فون کی غیر تحریر شدہ جزباتی گرائمر جو کم از کم ڈیڑھ صدی سے دنیا میں رائج ہے۔

اب رابطے کی اس مشین کی پرانی مکانی قید سے آزاد ہونے کے بعد اور بھی زیادہ موثر اور

ہمہ گیر ہو گئی ہے۔" (۲۶)

مصنف رابطے کی مشین یعنی ٹیلی فون اور اسکی جدید شکل موبائل کا تقابل کرتے ہوئے جدید رابطے کی مشین یعنی موبائل کے زیادہ موثر اور سہولت کار ہونے کے متعلق بیان کرتے ہیں۔ موبائل کی ایجاد سے رابطے کی یہ مشین ہر وقت ہر لمحہ انسان کے ساتھ موجود ہے۔ یہ ٹیلی فون (Landline) کی طرح مکانی قید سے آزاد ہے۔ گھر ہو یا باہر، دفتر ہو یا کھیل کا میدان دنیا کے ساتھ رابطہ ہر وقت موجود ہے۔ ہر وقت کے اس رابطے نے آسانیاں بھی بہت پیدا کی ہیں۔ کہیں بھی ہوتے ہوئے رابطے کی اس مشین کو موجودگی نے بہت مسائل حل کر دیئے ہیں لیکن ساتھ ہی اس کی ہر جگہ موجودگی اور رابطے کی دستیابی نے مسائل بھی پیدا کیے ہیں۔ جس کے اثرات بیان کرتے ہوئے مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

"بار بار کال کرنے اور بالکل کال نہ کرنے کے درمیان ٹیلی فونی اظہار کی ان گنت گھاتیں ہیں۔ جن کے اسرار اور موز محبت کرنے والے بھی جانتے ہیں اور موقع پاکر دوسرے کو موت کے گھاٹ اتارنے والے بھی۔ سودے کرنے والوں کی دنیا میں اس مشین کی یہ نئی چلتی پھرتی شکل ایک نیا انقلاب لے آئی ہے۔" (۲۷)

مصنف پیغام رسانی کی اس جدید ٹیکنالوجی کے فائدہ مند اور مضر دونوں قسم کے اثرات بیان کر رہے ہیں۔ ٹیکنالوجی یا مشین کو اچھے یا برے کی تمیز نہیں ہوتی یہ تو انسان کی اپنی سوچ اور عمل ہے۔ ٹیلی فون یا موبائل کی سہولت کو روزمرہ کی نجی اور کاروباری زندگی میں دیکھا جائے تو بہت زیادہ ہے۔ ساتھ ہی اگر مجرموں اور شر پسندوں کے ہاتھوں اس کے منفی استعمال کو دیکھا جائے تو معاشرے کے لیے بہت بڑا درد سر ہے۔ مرزا کے مطابق لین دین محبتوں کا ہو یا نفرتوں کا، ترسیل معلومات اچھائی والی ہوں یا برائی والی اس چلتی پھرتی مشین نے انقلاب برپا کیا ہے۔ اس کے بعد انٹرنیٹ اور سمارٹ فونز نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ پہلے پہل ٹیلی فون اور موبائل سے صوتی رابطہ اور برقی خطی پیغامات ممکن تھے۔ انٹرنیٹ اور سمارٹ فونز کی بدولت تصویر اور ویڈیوز کی ترسیل بھی ممکن ہوئی۔

"دنیا بھر کے کروڑوں کمپیوٹروں کے ادغام سے جنم لینے والا لامکاں ہے اور جس میں سفر کا آغاز کرنے کے لیے آپ انٹرنیٹ کے برقیاتی دروازے پر اپنے ماوس کی کلک سے دستک دیتے ہیں اور پھر Digital Pulse کی گاڑی پر سوار ہو کر منزلیں طے کرتے ہیں۔" (۲۸)

انٹرنیٹ کی بدولت تمام دینا سے سمعی و بصری رابطہ پل بھر میں ممکن ہے۔ انٹرنیٹ کے ذریعے مسافرتیں سمٹ کر منزلیں قریب آگئی ہیں۔ اس کی بدولت دوری کے احساس میں کمی واقع ہوتی ہے۔ دنیا کے چاروں کونوں میں موجود لوگوں کا رابطہ انٹرنیٹ کے ذریعے کمپیوٹر ہی کی بدولت ممکن ہوا ہے۔ اس لیے مصنف نے کمپیوٹر کو ناول میں ایک کردار کی طرح برتا ہے۔ ذکی ایک کمپیوٹر انجنیئر ہے اس لیے ذکی جہاں بھی جاتا ہے کمپیوٹر یا لپ ٹاپ ہر وقت اس کے ساتھ موجود رہتا ہے۔ اس کے علاوہ اسکی اہمیت کا اندازہ ذکی کی کمپیوٹر سرگرمیوں اور اُسکے والد کی دلچسپی سے لگایا جاسکتا ہے۔ انٹرنیٹ کی اہمیت کے متعلق مرزا صاحب لکھتے ہیں۔ "اب تو دنیا کے کوئی بھی دو انسانوں کے درمیان انٹرنیٹ تیسرے کردار کی صورت میں ہر وقت موجود رہتا ہے۔" (۲۹)

مصنف کا اشارہ آج کے برقی رابطوں اور پلیٹ فارمز کی طرف ہے۔ موجودہ ترقی یافتہ اور انٹرنیٹ کے دور میں ہر انسان سوشل میڈیا پلیٹ فارمز کی مدد سے ایک وسیع معاشرتی دائرے میں شامل ہے۔ انٹرنیٹ کے توسط سے برقی رابطے کے کئی ذرائع موجود ہیں جن کی مدد سے انفرادی اور اجتماعی دونوں صورتوں میں رابطہ ممکن ہے۔ ذکی اور ذلیخا کے درمیان بھی رابطہ برقی خطوط (E-mails) کے ذریعے انٹرنیٹ کے توسط سے قائم رہا۔

"اچانک میرے سامنے آن کھڑی ہوئی اور وہ ذلیخا ہے۔ جو اس لپ ٹاپ کے کی بورڈ اس کے پراسیسر بھالیکے کے ٹیلی فون ایکسیج اور زمین سے دو سو میل اوپر چکراتے سیٹلائٹ سے ہوتی ہوئی ایک ہی لمحے میں اس سکرین پر ظاہر ہو جائے گی۔ لفظوں میں بکھری ہوئی لفظوں میں جڑی ہوئی مگر جیتی جاگتی سانس لیتی عورت۔ میں نے کمپیوٹر کی طرف ابھی ایک قدم بھی نہیں بڑھایا تھا۔ اور نگلیوں کی پوروں کی راہ سے اس برقی خلا میں اسکو

بلانے والے اپنے وجود کے کوئی شرارے دوڑانے کی کوشش نہیں کی تھی، مگر وہ۔۔۔ وہ
آچکی تھی۔" (۳۰)

مصنف نے انٹرنیٹ کے ذریعے ذکی اور ذلیخا کے درمیان رابطے کو بیان کرتے ہوئے ترسیل معلومات کے اس
نئے ذریعے کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ ترسیل معلومات اور رابطہ کے ان جدید ذرائع نے طبعی طور پر دور ہوتے
ہوئے بھی انسانوں کو لا محسوس طور پر قریب کر دیا ہے۔

ذوقی ترسیل معلومات اور رابطے کے جدید تکنیکی آلات میں سے موبائل کے اثرات کے متعلق بیان کرتے ہیں۔

"مجھے یاد آیا اُس دن رات میں ہانے کی میز پر رہانے شکایت کی تھی۔ کچھ لوگ
گندے گندے ایس ایم ایس بھیجتے رہتے ہیں۔ وہ پریشان ہو جاتی ہے۔ آخر یہ سب
کیا ہے؟ ارتقا کی ریس میں کیا یہ سب کچھ پہلے بھی ہوتا رہتا ہے۔ یاب ہو رہا ہے۔ یاب
کے بچے اتنا تیز اڑ رہے ہیں کہ ہماری پکڑ میں ہی نہیں آ سکتے۔ نئی ٹیکنالوجی صرف نئی اور
بھیانک بیماریاں ہی دے سکتی ہے۔ اور ہمیں ایک ایسی نفسیات میں مبتلا کر سکتی ہے۔ جس
کا ہمارے پاس کوئی حل نہیں۔" (۳۱)

ذوقی موبائل کے غلط استعمال کے متعلق بیان کرتے ہیں۔ ریا سنیل کی بیٹی ہے۔ ریا اپنے والد سے کہتی ہے کہ
اُسے موبائل پر گندے گندے ایس ایم ایس آتے ہیں۔ بلاشبہ اس ٹیکنالوجی کے صحیح استعمال کے بے شمار فوائد
ہیں۔ لیکن ذوقی یہاں اس ٹیکنالوجی کے آج کی نوجوان نسل سے متعلق نقصانات بیان کرتے ہیں۔ اُنکے مطابق
یہ ٹیکنالوجی ہمیں اخلاقی طور پر کمزور کر رہی ہے۔ اس کے اثرات کی وجہ سے بھیانک بیماریاں لاحق ہو رہی ہیں
خاص طور پر نفسیات سے متعلق۔ اسی متعلق ایک اور جگہ بیان کرتے ہیں۔

"ایک آدمی موبائل پر گندے گندے ایس ایم ایس بھیجتا ہے۔ کچھ پریشان حال لوگ
فون پر گندی گندی باتیں کر کے اپنا دل بہلاتے ہیں۔ لیکن دوسرے کے لیے الجھنیں

کھڑی کر دیتے ہیں۔ محبت اور سیکس سے جڑے کتنے ہی قصے جو ایک نہ ختم ہونے والا درد پیدا کرتے ہیں۔ اور اشتعال کی حد تک غصے کو جنم دے جاتے ہیں۔" (۳۲)

موبائل یا سیل فون کی مدد سے صرف مخصوص فرد تک صوتی رابطہ یا برقی پیغام کا پہنچنا ازداری کے لحاظ سے فائدہ مند ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس کے اثرات منفی بھی ہیں۔ کسی فرد کو ذاتی حیثیت میں انفرادی طور پر غیر اخلاقی پیغامات بھیجنا جنسی ہراسانی کے زمرے میں آتا ہے۔ لیکن اس کا تدارک اتنا آسان نہیں ہے۔ خصوصاً ایسے معاشرے میں جہاں پر غیر رجسٹرڈ سم آسانی سے دستیاب ہو۔ وطن عزیز میں حال ہی میں غیر قانونی سمز کی بندش کا عمل شروع کیا گیا ہے۔ موبائل فون تنہائی میں کسی بھی جگہ پر قابل استعمال ہونے کے وجہ سے غیر اخلاقی گفتگو کا بھی باعث بنتا ہے۔ مصنف کے مطابق کچھ پریشان لوگ اپنی پریشانی کو کم کرنے کے لیے اس قسم کی غیر اخلاقی گفتگو کرتے ہیں ذوقی برقی پیغامات اور صوتی رابطے کی اس مشین کے صرف منفی اثرات بیان کرتے ہیں۔

ٹیکنالوجی کے سرمایہ داری (Capitalism) اور صارفیت (Consumerism) پر بہت گہرے اثرات ہیں۔ ان اثرات کو معلوم کرنے کے لیے ٹیکنالوجی کی ترقی، مارکیٹ کی ساخت اور صارفین کے رد عمل کو دیکھنا ہوگا۔

ٹیکنالوجی نے سرمایہ داری کو مختلف عوامل مثلاً پیداوار میں جدید مشینوں کی وجہ سے اضافہ، مواصلات کے جدید ذرائع جیسے انٹرنیٹ وغیرہ اور ڈیجیٹل معیشت نے مضبوط کیا ہے۔ اسی طرح ٹیکنالوجی نے ڈیجیٹل مارکیٹنگ، خریداری کے جدید ذرائع اور مصنوعات کی عالمی مانگ نے صارفیت کے حجم کو بڑھایا ہے۔ سرمایہ داری اور صارفیت کو ٹیکنالوجی نے نہ صرف سہولت فراہم کی ہے، بلکہ ان دونوں کو ٹیکنالوجی نے مضبوطی کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ اس جوڑ کی وجہ سے سرمایہ داری یعنی ملٹی نیشنل کمپنیاں عالمی سطح پر اپنے صارفین تک رسائی حاصل کر رہی ہیں چاہے وہ غریب یا غیر ترقی یافتہ ممالک سے ہی تعلق کیوں نہ رکھتے ہوں۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ ملٹی نیشنل کمپنیوں یعنی عالمی سرمایہ داروں کے لیے ٹیکنالوجی نے مواقع کی ایک نئی دنیا کھول دی

ہے۔ سرمایہ داری کو ٹیکنالوجی کی ترقی کی وجہ سے بننے والے جدید مالیاتی نظام اور عالمگیریت (گلوبلائزیشن) سے بھی بہت فائدہ ہوا ہے۔ انہی عوامل کی وجہ سے سرمایہ داری مضبوط اور صارفیت میں اضافہ ہوا ہے۔

صارفیت کو بھی ٹیکنالوجی کی ترقی نے متاثر کیا ہے، اشتہارات برانڈز اور مارکیٹنگ نے صارفیت کو فروغ دیا ہے۔ جدید ذرائع مواصلات کے ذریعے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ مصنوعات خریدنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ غیر معیاری اور غیر ضروری مصنوعات کی تشہیریوں کی جاتی ہے کہ صارف کو جزباتی طور پر مصنوعات خریدنے کی طرف راغب کیا جاتا ہے۔ اس عمل کے لیے جدید ٹیکنالوجی خاص طور پر میڈیا و انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کا سہارا لیا جاتا ہے۔

"گلوبلائزیشن چند بنیادی ارکان پر قائم ہے۔ جن میں سب سے زیادہ اہم متعدد الاجناس کمپنیاں ہیں۔ ماہر اقتصادیات ٹونی کلارک کہتا ہے کہ گلوبلائزیشن کا سب سے زیادہ فائدہ متعدد الاجناس کمپنیوں کے مالکوں کو ہو رہا ہے۔ دنیا کی ۷۷ فیصد اقتصادیات پر ان عفرتی (Giant) کمپنیوں کا قبضہ ہے۔ دنیا کی ۷۵ فیصد تجارت پانچ سو بڑی کمپنیوں کی مٹھی میں ہے۔ جن میں ۱۵۳ کمپنیاں امریکہ کی ۱۵۵ کمپنیاں یورپ کی اور ۱۴۱ کمپنیاں جاپان کی ہیں۔ ان متعدد الاجناس کمپنیوں میں سے صرف ۱۰ فیصد کمپنیاں دنیا میں بیرونی سرمایہ کاری کے ۵۰ فیصد حصے پر قابض ہیں" (۳۳)

ٹیکنالوجی کے ترقی پذیر ممالک میں سرمایہ داری اور صارفیت پر اثرات ترقی یافتہ ممالک کی نسبت زیادہ پیچیدہ اور مختلف ہوتے ہیں۔ ڈیجیٹل معیشت ترقی پذیر ممالک کے لیے مواقع تو فراہم کرتی ہے۔ لیکن ڈیجیٹل عالمی کمپنیوں جیسے گوگل، فیس بک اور ایمازون کا غلبہ مقامی کاروبار کو کمزور کرتا ہے۔ ڈیجیٹل نوآبادیات کے تحت ترقی یافتہ ممالک کی بڑی کمپنیاں ترقی پذیر ممالک کے وسائل اور ڈیٹا کا استحصال کرتی ہیں۔

مرزا بین الاقوامی کمپنیوں کی سرمایہ داری اور جدید ٹیکنالوجی کے استعمال اور سرمایہ داری کے ذریعے ترقی پذیر ممالک اور وہاں کے صارفین کے استحصال کے متعلق بیان کرتے ہیں۔ ٹیکنالوجی کی اہمیت اور سرمایہ داری نظام میں سہولت کو واضح کرتے ہیں۔

"سب سے پہلے تو مجھے یہ واضح کرنا چاہیے کہ اگرچہ Biome یعنی کے جس ملٹی نیشنل فارماسیوٹیکل کمپنی میں، میں کام کرتا ہوں اُس میں لوگ کافی کاپ لینے یا پانی کا گلاس اُٹھانے میں بھی کسی نہ کسی طرح کمپیوٹر اور شاید انٹرنیٹ کا استعمال کر لیتے ہیں" (۳۴)

ذلیخا خلجی کا والد اپنی بیٹی سے مخاطب ہے جو ایک بین الاقوامی فارماسیوٹیکل کمپنی میں کسی بڑے عہدے پر فائز ہے۔ جو اپنی بیٹی کو کسی وضاحت کے دوران بین الاقوامی کمپنیوں کے ٹیکنالوجی کے استعمال کے متعلق بیان کرتا ہے۔ ان کمپنیوں کی بین الاقوامی سطح پر کاروباری سرگرمیوں میں اضافہ کی وجہ مواصلات میں انقلاب ہے۔ گلوبلائزیشن کی وجہ سے ان کمپنیوں کے لیے عالمی سطح پر صارفین تک رسائی ممکن ہوئی ہے۔ انٹرنیٹ کی بدولت ای کامرس اور ڈیجیٹل پلیٹ فارمز نے ان کمپنیوں کو سہولت فراہم کی ہے۔

"باپ کا معاشرہ ایک غیر یقینی سامقام ہے۔ لیکن بہر حال انٹرنیشنل ٹریڈ نے تو پھیلنا ہے۔ اس لیے Biome کا ایک ریجنل ہیڈ کوارٹر وہاں اسلام آباد میں قائم کیا جا رہا ہے۔ ایک نئی Drug وہاں Introduce کرائی جا رہی ہے۔ اب میں اصل معاملے (التجا) کی طرف آتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں شدت سے کہ تم وہاں ہمارے پبلک ریلیشنز کے شعبے کی ڈائریکٹر کی پوسٹ قبول کر لو۔ یہ بہت حساس ایریا ہے اور پبلک جس سے رابطہ ہوگا۔ معاملات طے ہوں گے۔ اُن میں وہاں میڈیکل کمیونٹی، میڈیکل ایڈ منسٹریشن اور کچھ دوسرے بہت اہم لوگ شامل ہیں۔" (۳۵)

مصنف ترقی پذیر ممالک تک بین الاقوامی تجارت کے پھیلاؤ کو بیان کرتے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک جو مصنوعات کی تیاری اور صنعتی میدان میں آگے ہیں تجارت اور مصنوعات کی فروخت کے لیے کم ترقی یافتہ ممالک کا رخ

کرتے ہیں۔ اُن کے لیے وہاں وسائل کی کم قیمت میں دستیابی ہوتی ہے۔ اس مقصد کے لیے اپنی بین الاقوامی کمپنیوں کا سہارا لیا جاتا ہے۔ یہ کمپنیاں دنیا کے مختلف علاقوں میں اپنے ریجنل ہیڈ کوارٹرز قائم کرتی ہیں۔ لیکن اُن علاقوں یا ملکوں کا اس سے زیادہ فائدہ نہیں ہوتا بلکہ حقیقت میں ترقی پذیر ممالک سے ترقی یافتہ ممالک کو زر کی تقسیم کا ایک سلسلہ ہوتا ہے۔

"متعدد الاجناس کمپنیاں، تیسری دنیا کے ممالک میں اپنا سرمایہ لگا رہی ہیں جیسا کہ بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ یہ اپنی کمپنیوں کے ذریعہ ان ممالک کی موجودہ دولت کو چوس رہی ہیں" (۳۶)

اس کے علاوہ بڑی کمپنیوں کے غلبہ سے ترقی پذیر ممالک میں مقامی کاروبار اور کمپنیاں متاثر ہوتی ہیں۔ ان بین الاقوامی کمپنیوں کے غیر ترقی یافتہ ممالک میں علاقائی مراکز کی وجہ سے چند مقامی نوجوانوں کو نوکریاں تو مل جاتی ہیں۔ لیکن یہ ممالک خود اپنی ٹیکنالوجی کو ترقی نہیں دے سکتے۔ جس کی وجہ مستقل طور پر غیر ملکی اور ایسی ہی کمپنیوں کی مصنوعات پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ ٹیکنالوجی اور علم کی کمی کی وجہ سے مزید بھی کئی قسم کی ان کمپنیوں کی طرف سے مقامی لوگوں کے استحصال کیے جاتے ہیں۔ جن میں سے خفیہ میڈیکل تجربات بھی ایک ہیں۔ اس کے متعلق ذکی اور فیضان کے درمیان مکالمہ قابل غور ہے۔

"ف۔ یہ نقاط اہم ہیں۔ فارماسیوٹیکل ملٹی نیشنل کمپنیوں کی ترجیحات۔ ترقی پذیر ملکوں کی حکومتوں سے یہ کمپنیاں ناجائز مراعات کیسے حاصل کرتی ہیں۔

ذ۔ میں نہیں سمجھ پا رہا۔

ف۔ ترقی پذیر ملکوں کے غریب عوام پر نئی دوائیوں کے خفیہ میڈیکل تجربات کیسے کیے جاتے ہیں۔

ذ۔ کیا مطلب؟

ف۔ منافع، منافع، منافع" (۳۷)

مصنف ان بین الاقوامی کمپنیوں کے متعلق بیان کرتے ہیں، کہ کس طرح یہ ترقی پذیر ممالک میں بااثر لوگوں کے ذریعے ناجائز مراعات حاصل کرتی ہیں۔ جس سے مقامی لوگوں اور کمپنیوں کا استحصال ہوتا ہے، اور مقامی وسائل سے ناجائز منافع یہی بین الاقوامی کمپنیاں حاصل کرتی ہیں۔ ترقی پذیر ملکوں کی غریب عوام پر یہ کمپنیاں نئی تیار ہونیوالی ادویات کے خفیہ تجربات کرتی ہیں۔ جو کہ اخلاقی لحاظ سے غلط ہونے کے ساتھ ساتھ ایک استحصالی رویہ ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی نے بلاشبہ طب کے میدان میں بہت سی کامیابیاں حاصل کی ہیں جس سے انسانیت کو بہت فائدہ حاصل ہو رہا ہے۔ بین الاقوامی کمپنیاں ہوں یا ان کمپنیوں کے ترقی پذیر ممالک کے لوگوں پر تجربات ہوں سائنس اور ٹیکنالوجی ہی کے ذریعے سرمایہ داری اور صارفیت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

ذوقی سائنس اور ٹیکنالوجی کی بدولت معرض وجود میں آنے والی ملٹی نیشنل (بین الاقوامی) ویڈیو گیم کی کمپنی Nintendo Toys کی ویڈیو گیم پوکے مان کے متعلق تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ یہ ویڈیو گیم ہی اُن کی اس تصنیف کی تحریک ہے۔ اس لیے ناول کا نام بھی اسی ویڈیو گیم کے نام پر رکھا گیا ہے۔ وکی پیڈیا کے مطابق۔

“Nintendo co.Ltd is a Japanese multination vedio game company headquarterd in Kyoto. It developes Publishes and releases both video games and video game consoles.” (۳۸)

نینٹنڈو کمپنی لمیٹڈ ایک جاپانی بین الاقوامی ویڈیو گیم کمپنی ہے۔ جس کا صدر دفتر کیوٹو میں واقع ہے۔ یہ ویڈیو گیمز اور ویڈیو گیمز کنسولز دونوں کی ترقی، اشاعت اور ریلیز کرتی ہے۔

مشرف ذوقی اپنی اس تصنیف میں اس گیم کے اثرات کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتاتے ہیں کہ یہ کمپنی اپنی ویڈیو گیمز کے ذریعے پوری دنیا میں سرمایہ داری کر رہی ہے۔ پوری دنیا میں نہ صرف اس کمپنی کی گیم "پوکے مان" کی ویڈیوز چلتی ہیں۔ بلکہ ساتھ میں اس گیم کے کارڈز بھی بکتے ہیں۔

"وہ پھر میری طرف مڑا تھا۔ کیا بات ہے کہتے کہتے وہ ٹھہر گیا۔ میرے ٹازو نہیں دیکھو گے؟ دیکھوں گا۔ یہ جاپانی پراڈکٹ ہے۔ سب سے پہلے جاپانی کا کس مینگا کے ذریعے سامنے آیا۔ آپ نے Nintendo ٹوائز کمپنی کا نام سنا ہے؟ نہیں۔ پوکے مان اُسی کا دماغ ہے" (۳۹)

اس کی جیسی مزید ویڈیو گیمز کی بین الاقوامی کمپنیوں نے پوری دنیا میں صارفین تک رسائی حاصل کی ہے۔ جسکی وجہ سے مقامی سطح پر موجود کمپنیوں کی صارفیت متاثر ہوئی ہے اور اس میں نمایاں کمی آئی ہے۔ ان بین الاقوامی کمپنیوں کی فلموں اور گیمز میں زیادہ تر دلچسپی بچوں کی طرف ظاہر ہوئی ہے اس کے متعلق ذوقی بیان کرتے ہیں۔

"یونو انکل پہلے میں ڈرپوک تھا۔ چھوٹا تھا۔ بہت ڈرپوک ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جاتے ہوئے ڈر لگتا تھا۔ مگر اب نہیں اب تو مجھے یہی سب چاہیے۔ دی لارڈ آف رنگز، چارلیز اینجل، اسپنر سیل، بیت مین، اسپائیڈر مین، حلک اب مجھے ڈر نہیں لگتا۔ میں بہادر بننا چاہتا ہوں۔ انہی جیسا" پوکے مان جیسا" (۴۰)

ان بین الاقوامی کمپنیوں کو کاروبار چاہیے۔ ٹیکنالوجی اور گلوبلائزیشن نے ان کے لیے تمام دنیا کے بازاروں تک اپنے کاروبار کو پھیلانا آسان بنا دیا ہے۔ جدید ٹیکنالوجی کی بدولت مارکیٹنگ اور اشتہار بازی نے صارفین کو ان کمپنیوں کی مصنوعات کی طرف راغب کیا ہے۔

"بچے مارکیٹ میں 'پوکے مان' کے نئے نئے کھلونے ڈھونڈنے جاتے ہیں۔ ایک بہت بڑا بازار اور ہمارے بچے باہر کی کمپنیوں کے لیے ہمارے بچے آج سب سے بڑا مارگٹ ہیں۔

جن کی آڑ لیکر تمام بڑی کمپنیاں اپنے اپنے پراڈکٹ ہماری مارکیٹ میں اُتارنا چاہتی ہیں۔
مگر کس قیمت پر" (۴۱)

یہاں بڑا بازار سے مراد بین الاقوامی کمپنیوں کی عالمی سطح پر تجارت اور سرمایہ کاری ہے۔ گلوبلائزیشن کی بدولت یہ کمپنیاں دنیا کے لیے ایک بڑا بازار تشکیل دے چکی ہیں۔ بلاشبہ اس بڑے بازار سے ہمیں فوائد بھی حاصل ہو رہے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بازار ہمارے لیے نقصان کا باعث بھی ہیں۔ انہی نقصانات کے پیش نظر سنیل کمار رائے روی کیچن کے کیس کا فیصلہ یوں سناتے ہیں۔

"میں پورے ہوش و حواس سے فیصلہ سناتا ہوں کہ تعزیرات ہند، دفعہ ۳۰۲ کے تحت،
میں اس نئی ٹیکنالوجی ملٹی نیشنل کمپنیز، کنزیوم ورلڈ اور گلوبلائزیشن کو سزائے موت کا حکم
دیتا ہوں ہنگ ٹل ڈیٹھ" (۴۲)

روی اور سونالی سے سرزد ہونیوالے گناہ کا ذمہ دار سنیل ملٹی نیشنل کمپنیز اور جدید ٹیکنالوجیز کو ٹھہراتا ہے۔

(ب): روایات اور ثقافت، اقدار و اخلاقیات اور انفرادی و اجتماعی برابری پر اثرات

روایات اور ثقافت کسی بھی معاشرے کے ماضی، حال، اور مستقبل کا آئینہ ہوتے ہیں۔ یہ عناصر ملکر شناخت معاشرتی ہم آہنگی اور تسلسل کو برقرار رکھتے ہیں۔ انہی عناصر کی بدولت ایک قوم اپنی منفرد پہچان قائم کرتی ہے۔ دنیا میں مختلف خطوں میں آباد اقوام اپنی روایات اور ثقافت کی وجہ سے انفرادیت رکھتی ہیں۔ مختلف تہذیبوں کی روایات اور ثقافت کے ایک دوسرے پر اثرات عرصہ قدیم سے جاری ہیں۔ لیکن یہ اثرات بہت قلیل اور مختصر عرصہ میں واضح طور پر نظر نہیں آتے تھے۔ ذرائع مواصلات میں ترقی کی بدولت تہذیبوں کے ایک دوسرے کی روایات اور ثقافت پر اثرات میں تیزی آئی ہے۔

"ہمیں یہ حقیقت بھی تسلیم کرنا ہوگی کہ مواصلات کی بے پناہ ترقی مروجہ تہذیبوں کو
ایک دوسرے سے متاثر ہونے کے عمل میں سے گذار رہی ہے۔ تہذیبیں اس ترقی یافتہ

زمانے سے پہلے بھی متاثر کرتی اور متاثر ہوتی رہی ہیں۔ مگر اُس دور میں یہ عمل سست رفتار تھا کہ یہ اثر آفرینی غیر محسوس ہوتی تھی۔ اس کی مثال کلی چٹکنے کی سی تھی یا اُس سائے کی سی جو دھوپ ڈھلنے کے ساتھ ساتھ بڑھتا رہتا تھا۔ مگر ہمیں اُس کی یہ حرکت جو کبھی نہیں رکتی، کبھی دکھائی نہیں دیتی، آج کی صورتحال اس کے بالکل برعکس ہے۔ آج کے زمانے میں جب فصلیں بھی مصنوعی طریقوں آگائی اور پکائی جانے لگی ہیں۔ انسانی ذہن بھی نت نئی تبدیلیوں سے دوچار ہے اور یہ تبدیلیاں چپکے سے نہیں آتیں باقاعدہ دھماکے کے ساتھ آتی ہیں۔" (۴۳)

مصنف کے مطابق آج کے ترقی یافتہ دور میں جب سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کی وجہ سے ذرائع مواصلات نے بے پناہ ترقی حاصل کر لی ہے۔ جسکی وجہ سے تہذیبوں کے ایک دوسرے کو متاثر کرنے کے عمل میں تیزی آئی ہے۔ مصنف کے مطابق سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی نے انسانی ذہن میں بھی تبدیلیاں لائی ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی نے ثقافت اور روایات پر گہرے اور متنوع اثرات ثبت کیے ہیں۔ ان اثرات میں مثبت اور منفی دونوں طرح کے اثرات شامل ہیں۔ ذرائع مواصلات میں ترقی کی بدولت دنیا کے مختلف خطوں میں موجود لوگوں کے روابط تیز اور آسان ہو گئے ہیں اسی طرح مواصلات کے ساتھ ذرائع نقل و حمل میں ترقی کی بدولت وقت اور فاصلے سمٹ گئے ہیں۔ غرض سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کی بدولت دنیا ایک گلوبل ویلج کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ مختلف خطوں کی اقوام کے درمیان روابط میں تیزی اور آسانی کی وجہ سے ثقافت اور روایات کے تبادلے میں بھی تیزی اور آسانی پیدا ہوئی ہے۔ لیکن اسکے ساتھ کچھ مسائل نے بھی جنم لیا ہے۔ دور جدید کی ترقی کی بدولت مختلف ثقافتوں کی عالمی سطح پر پذیرائی اور ثقافتوں کے متعلق آگہی ممکن ہوئی ہے۔ اگر اس کے منفی اثرات کو دیکھا جائے تو مغربی ثقافت اور طرز زندگی کے دوسری مقامی ثقافتوں پر اثرات ظاہر ہو رہے ہیں۔ ٹیکنالوجی میں ترقی کی وجہ سے روایتی میل جول میں کمی کی وجہ سے روایتی خاندانی سماجی تعلقات میں کمزوری آرہی ہے۔ اور ثقافت و روایات کے متعلق غلط معلومات کے پھیلنے سے اُنکی اصل شکل بھی متاثر ہو رہی

ہے۔ علاقائی و قومی زبان جو کہ ثقافت کا اہم حصہ و ذریعہ ہوتی ہے۔ سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی کی وجہ سے دباؤ میں ہے۔

مرزا سائنس و ٹیکنالوجی کے ثقافت پر اثرات کو مختلف انداز میں پیش کیا ہے۔ دنیا میں ہونے والی سائنس کی زیادہ تحقیق انگریزی زبان میں ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کا علمی مواد انگریزی میں ہونے کی سب سے بڑی وجہ انگریزی اہل زبان کی ترقی ہے۔ اسی کی بنیاد پر آج انکی پوری دنیا پر اجارہ داری ہے۔ غالب قوم کی ثقافت اور روایات کا مغلوب اقوام کی ثقافت اور روایات پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ ہی اقوام غالب آتی ہیں جو سیاسی، معاشی، تعلیمی اور عسکری لحاظ سے دوسری اقوام سے زیادہ ترقی یافتہ ہوں۔ انگریزی اہل زبان کی ترقی کی وجہ سے ایک محتاط اندازے کے مطابق اب تک انگریزی زبان دنیا میں کئی زبانوں کو ہضم کر چکی ہے۔ اب بھی کئی قومی و علاقائی زبانیں انگریزی کے دباؤ میں ہیں۔ اس کے متعلق عطش درانی کہتے ہیں۔ "صورتحال یہ ہے کہ اس وقت پاکستان میں انگریزی کا دباؤ بہت بڑھ گیا ہے۔" (۴۴)

بنیادی طور پر سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی کی بدولت گلوبلائزیشن اور عالمگیر ثقافت کے معرض وجود میں آنے کی وجہ سے مغربی زبان اور ثقافت کا دوسری زبانوں اور ثقافتوں پر غالب آنے کا سلسلہ جاری ہے۔ اس سلسلے کے مثبت اور منفی دونوں طرح کے اثرات ہیں۔ مثبت اثرات میں ترقی یافتہ اقوام کے علم و فنون لطیفہ، سماجی ڈھانچے اور نئے خیالات ترقی کے نئے دروازے کھول سکتے ہیں ساتھ ہی منفی اثرات میں زبان و ثقافت اور روایات کا زوال یا معدومیت بھی شامل ہے۔ اطہر بیگ نے اردو زبان پر انگریزی زبان کے دباؤ یا اردو زبان میں آنے والی تبدیلیوں کو ایک نئے انداز میں بیان کیا ہے۔ اس کے متعلق امجد طفیل لکھتے ہیں۔

"مرزا اطہر بیگ نے صفر ایک ایک تک میں ساہرا سپیس اور اس سے متعلقہ لوازمات کی مدد سے ہماری زندگی میں در آنے والی تبدیلی کو بیان کیا ہے اور اس تبدیلی کو بیان کرنے کے لیے ایک نئی طرح کی زبان وضع کرنے کی بھی سعی کی ہے۔" (۴۵)

اس ناول کا عنوان کمپیوٹر کی زبان کے متعلق ہے، کمپیوٹر کی زبان صرف دو ہندسوں صفر اور ایک پر مشتمل ہوتی ہے۔ اسے کمپیوٹر کا بائری سسٹم بھی کہتے ہیں۔ دراصل بائری سے مراد ثنائی اعداد کا نظام ہے۔ بائری کا مطلب دو ہے۔ یعنی ۰-۱۔ کمپیوٹر کو جو بھی ہدایات دی جاتی ہیں تو وہ ان ہدایات پر عمل کرنے کے لیے انہیں بائری کوڈ میں تبدیل کرتا ہے۔ ہدایات پر عمل کرنے کے بعد نتائج کو بائری کوڈ سے انسانی زبان میں تبدیل کرتا ہے۔ اس ناول کا دوسرا عنوان سائبر سپیس منشی کی سرگزشت ہے۔ سائبر سپیس کا لفظ انگریزی زبان کا ہے۔ یہ ایک سائنسی اصطلاح ہے۔ اس لفظ کو سب سے پہلے ولیم گبسسن نے ۱۹۸۴ء میں اپنے ناول میں استعمال کیا تھا۔ آج یہ اصطلاح وسیع پیمانے پر ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ ناول میں کئی مقامات پر انگریزی الفاظ بھی استعمال کیے ہیں اور ساتھ انکی وضاحت بھی بیان کی ہے، جیسے ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"اُن مقامات پر ہونے والے واقعات کے دوران کہیں بھی حسب ضرورت مجھے
 "جھونک" سکے اور اس طرح ہم دونوں "انجوائے" کر سکیں۔ میں نے انگریزی لفظ
 "انجوائے" عمداً استعمال کیا ہے کیونکہ اس کے مقابلے میں ہمارا اپنا لفظ مزہ کافی
 Vulgar سا ہے۔" (۴۶)

مصنف ناول میں کمپیوٹر کی اصطلاحات کو بھی استعمال کرتے ہیں جو انکی سائنسی بصیرت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

"سپر سالار نیٹ ورک کی ورکنگ میں یہ Intra Salar informal interaction خصوصی اہمیت کا حامل تھا۔ جب میں نے اپنے مسئلے یعنی سپر سالار نیٹ ورک کیسے کام کرتا ہے؟ اپنا ماڈل بنایا اور پھر انگریزی میں اُسکی Pseudo Coding شروع کی تو مجھے احساس تھا۔ کہ ان پارٹیوں کی Functionalities and Modalities کو ماڈل کرنا اُن کے لیے مناسب پروگرامنگ لینگویج ڈھونڈنا جان جو کھوں کا کام ہو گا اور واقعی ایسا ہوا۔ Java, C++, Visual Basic, Ruby on rail اور کئی دوسری، کسی کا

Syntax ان پارٹیوں کی Information on flow کو قابو میں نہ لا

سکا۔" (۴۷)

مندرجہ بالا اقتباس سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ڈاکٹر عطش دُرانی کا قول درست ہے کہ ہماری قوم زبان انگریزی کے دباؤ میں۔ دراصل اسکی بنیادی وجہ ہماری اور خاص طور پر مسلمانوں کی سائنسی علوم میں مہارت اور تحقیق کی کمی ہے۔ اسکی ثانوی وجہ تمام سائنسی علوم اور تحقیق کا انگریزی زبان میں موجود ہونا ہے۔ اردو زبان پر یہ اثرات سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی ہی کہ وجہ سے ثبت ہو رہے ہیں۔

مشرف عالم ذوقی ناول "پو کے مان کی دنیا" میں سائنس و ٹیکنالوجی کے روایات اور ثقافت پر اثرات بیان کرتے ہیں۔ عالمی ثقافت کے اثرات سے یہ خطہ بھی محفوظ نہیں ہے۔ ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کی وجہ سے ہم اپنی روایات اور ثقافت سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ گلوبلائزیشن اور جدید سرمایہ داری نظام نے کمرشلائزیشن کے ذریعے اچھے کو برا اور برے کو اچھا کر دکھایا ہے۔ مقصد صرف اور صرف نئی نئی منڈیوں تک رسائی اور زیادہ سے زیادہ سرمایہ حاصل کرنا ہے۔ اس عالمی ثقافت کے اثرات کی وجہ سے اپنی روایات اور ثقافت سے دوری کئی قسم کے مسائل پیدا کر رہی ہے۔

"سائیکریٹس بھی تھے اور منتری بھی۔ ساتھ ہی اینکر بدلتے ہوئے سماجی نظام پر اپنا تبصرہ بھی کرتی جاتی تھی۔ مہانگر میں ہر چھٹا بچہ / بچی موٹاپے کا شکار ہے۔ پانچ میں دو بچے کالیسٹرول اور ڈائیسیٹیز کے بھی شکار ہیں۔ پانچ میں سے ایک بچہ سیکسول ٹینشن کے درمیان زندگی گزار رہا ہے۔" (۴۸)

ذوقی بہت اہم مسئلے کی طرف توجہ دلانے کی کوشش کرتے ہیں، کہ وہ کیا چیز ہے جو ان بچوں کو اتنی چھوٹی عمر میں ایسی خطرناک بیماریوں میں مبتلا کر رہی ہے۔

"غیر فطری طور پر ہارمونز کا ڈیولپمنٹ بچوں کا جسم ایک نیا Shape لے رہا ہے۔ نتیجہ ۸۰ فیصدی موٹے بچے، ہر معاملہ میں جوانوں جیسے نظر آنے لگتے ہیں۔ کیمرہ

اب ڈاکٹر کے چہرے کا کلوڑا پ لیتا ہے۔ یہ بچے حال میں جیتے ہیں۔ برگر اور پیزا کی دنیا میں انہوں نے اپنے لیے جوانوں جیسی تمام بیماریاں خرید لی ہیں۔ جنگ فوڈز کھانے والے بچوں کو نہ صرف شوگر اور ہائپر ایکٹی ویٹی کی شکایت ہو رہی ہے بلکہ ان کی آنکھیں بھی کمزور ہو رہی ہیں۔" (۴۹)

مصنف اپنے مشرقی اور روایتی کھانوں سے دوری اور مغربی کھانوں میں دلچسپی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ قاری پر ان مغربی کھانوں کے نقصان دہ اثرات کو واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مصنف کے مطابق آج کی نوجوان نسل کی مغربی روایات و ثقافت کی طرف رغبت ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کی وجہ سے ہے۔

"کیمرہ میں ڈاکٹر کا چہرہ چمکتا ہے۔ رات دیر تک ٹی وی انٹرنیٹ، چیٹنگ، آن لائن پورنو گرافی کے پروگرامز، جنگ فوڈ، اور آڈیو ویڈیو آنے والے گندے پروگرامز نے بچوں کو اپنی عمر سے پہلے بڑا اور جوان کر دیا ہے۔ انٹرنیٹ پر بچوں کو سیکس کے متعلق تمام باتیں تفصیل سے مل جاتی ہیں۔" (۵۰)

انٹرنیٹ اور جنگ فوڈ یہ دونوں چیزیں بچوں کو تباہی کی طرف لے جا رہی ہیں۔ اپنے دیس کی غذا کو چھوڑ کر جب سے مغربی غذاؤں کا استعمال بچوں نے شروع کیا ہے تو ان میں بیماریوں کے ساتھ ہارمون کی زیادتی کی وجہ سے وقت سے پہلے جوان ہو جانا بہت بڑا مسئلہ بن رہا ہے۔ انٹرنیٹ نے بچوں کو وقت سے پہلے وہ معلومات بھی فراہم کر دی ہیں جو نہیں ہونی چاہیے تھیں۔ مصنف اس ترقی اور گلوبلائزیشن سے پہلے اور بعد کے دور کا موازنہ پیش کرتے ہوئے بدلتی روایات کا احساس دلانے کی کوشش کرتے ہیں۔

"نہ گاڑی بنگلہ، نہ دلی، نہ اونچے محلاں نہ ودیسی بلی، نہ سائبر کیفی، نہ ڈسکو تھے۔ ساٹھ پاور کے بلب میں جلنے والی زندگی کیسی تھی؟ کیا کہوں بچوں کو۔۔ تب ہم زیادہ جیتے تھے۔۔ تم سے زیادہ۔۔ تم سے زیادہ بے باکی اور جوش کے ساتھ، ہنس سکتے تھے۔ کھانے کی میز پر یہ احساس نہیں ہوتا تھا کہ کسی شوک سبھا میں آگئے ہوں۔ بڑے ہونے پر بھی

چھوٹی عمر ہوتی تھی ہماری۔۔ اس عمر میں بڑوں کا آدب اور ڈر ہوتا تھا۔ ہمارے پاس "(۵۱)"

مصنف مشرقی تہذیب و روایات کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کے آنے سے پہلے اور موجودہ ترقی کے دور سے پہلے زندگی زیادہ حسین اور پرسکون تھی۔ بڑوں کا ادب اور احترام اور خوف ہوتا تھا۔ لیکن آج کی اس ترقی نے یہ سب کچھ بدل کر رکھ دیا ہے۔ ہماری اپنی تہذیب و روایات کہیں کھو گئی ہیں۔ مصنف اس کا ذمہ دار جدید ٹیکنالوجی اور گلوبلائزیشن کو ٹھہراتا ہے۔

"مگر اچانک کچھ برسوں میں ٹیکنالوجی سوپر کرائم اور گلوبلائزیشن کا جو حملہ ہوا ہے۔ اُس نے ہمیں حیرت زدہ ہی نہیں بلکہ سڑک پر ننگا کر دیا ہے۔ سینڈ میں ہماری تہذیب ہزاروں سال آگے پہنچ گئی ہے۔" (۵۲)

مصنف کے مطابق ہماری تہذیب و روایات کو تباہ کرنے کی ذمہ دار جدید ٹیکنالوجی اور گلوبلائزیشن ہے۔

سائنس و ٹیکنالوجی نے اقدار و اخلاقیات پر گہرے اثرات ثبت کیے ہیں۔ یہ اثرات مثبت اور منفی دونوں طرح کے ہیں۔ مختلف ثقافتوں میں اخلاقیات کی قدریں مختلف ہو سکتی ہیں۔ لیکن چند اخلاقی اصول آفاقی ہیں جو تمام ثقافتوں میں موجود ہیں۔ جیسے جھوٹ اور دھوکہ دہی، چوری، ظلم اور قتل کی مخالفت، استاتذہ اور بزرگوں کا احترام اور خیرات و مدد کی تعریف کرنا۔ انصاف وغیرہ۔ اخلاقیات کی قدروں میں اختلاف مذہبی، تاریخی، سماجی اور جغرافیائی عوامل کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

مغربی معاشرے کی نسبت مشرقی معاشرے میں مذہب کی بنیاد پر اخلاقیات کو جانچا اور پرکھا جاتا ہے۔ جیسے اسلام میں عورت کے نیم برہنہ لباس کی سخت ممانعت ہے۔ اسی طرح برصغیر اور خاص طور پر وطن عزیز میں عورت کے عریاں لباس کو غیر اخلاقی سمجھا جاتا ہے۔ ہمارے معاشرے کی اقدار میں بھی عورت کا عریاں لباس پہننا موجود نہیں ہے۔ جبکہ مغربی معاشرے میں عریاں لباس کو غیر اخلاقی تصور نہیں کیا جاتا ہے۔

اسی طرح مغربی معاشرتی اقدار میں انسانیت اور بڑوں کا احترام تو موجود ہے لیکن ازدواجی زندگی کی ابتداء میاں بیوی تنہائی سے کرتے ہیں۔ والدین کو اولڈ ہوم (Old Home) میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جبکہ مشرقی معاشرے میں مربوط خاندانی نظام کے تحت والدین اور بزرگوں کی انکی آخری عمر میں خدمت کرنا مشرقی اقدار کا شیوہ ہے۔

موجودہ ترقیاتی دور میں ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کی وجہ سے گلوبلائزیشن نے مشرقی اقدار و اخلاقیات کو متاثر کیا ہے۔ گلوبلائزیشن نے مغربی تہذیب و اخلاقیات کو عالمی ثقافت کے تحت نوجوان نسل کے لیے نمونہ بنا دیا ہے۔ خاص طور پر اُن نوجوان افراد کے لیے جو ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کی مدد سے عالمی ثقافت سے جڑے ہوئے ہیں۔ جدید ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کی مدد سے پوری دنیا کے اور خاص طور پر مسلم معاشروں میں مغربی تہذیب کو مسلط کیا جا رہا ہے۔ انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا پر موجود عریاں اور فحش مواد بھی انسانی و اخلاقی اقدار پامال کر رہا ہے۔ جس کے اثرات ہمارے معاشرے میں ظاہر ہونا شروع ہو گئے ہیں۔

"ایک نجی ایئر لائن میں اندرون ملک ہوائی سفر کے دوران ایک جوڑا نازیباحرکتیں کرتا رہا۔ مسافروں کے منع کرنے پر بھی نہ رکا۔ جہاز کے عملے نے روکا پھر بھی باز نہ آیا جس پر ایئر ہو سٹس نے جوڑے کو کمبل لادیا تاکہ کم از کم جو حرکات وہ کر رہے ہیں اُسے جس حد تک ہو سکے دوسروں کی نظروں سے چھپایا جاسکے۔" (۵۳)

ذوقی اقدار و اخلاقیات پر ٹیکنالوجی کے اثرات کو بیان کیا ہے۔ مصنف کے مطابق کم عمر بچوں اور نوجوان نسل پر یہ اثرات براہ راست اثر انداز ہو رہے ہیں۔ اپنی معاشرتی اقدار اور اخلاقیات کو فرسودہ سمجھنے لگے ہیں۔ جب کبھی بزرگوں یا والدین کی طرف سے اس معاملے پر مداخلت ہوتی ہے تو اسے جزییشن گیپ کا نام دیتے ہیں۔ سنیل کمار کی اپنی بیٹی ریا اور بیٹے متن سے جب کبھی کسی مسئلے پر گفتگو ہوتی ہے، تو افکار و نظریات کا ٹکراؤ ظاہر ہوتا ہے۔ بچے اسے جزییشن گیپ کہتے ہیں اور والدین کو اولڈ فیشنڈ کہتے ہیں۔ جس سے مصنف یہ بتانے کی کوشش

کرتا ہے کہ اس ترقی یافتہ اور ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کے دور میں بچے عالمی ثقافت سے متاثر ہیں۔ اسی ثقافت کی طرز پر زندگی گزارنا پسند کرتے ہیں۔

"اخلاقیات --- میں زور سے ہنسنا --- ہر من ہسے نے ٹھیک کہا ہے۔ ایک نئی تہذیب جنم لینے والی ہے۔ ایک انڈاٹوٹنے والا ہے۔ اس سے ایک بھیانک پرندہ نکلے گا۔ نئی پیٹری کولڈت اور چٹخارے چاہیئے۔" (۵۴)

مصنف ہر من ہسے جرمن نژاد سونس ناول نگار کا قول بیان کرتے ہیں کہ انڈاٹوٹنے والا ہے اور ایک نئی تہذیب جنم لینے والی ہے۔ اس نئی تہذیب سے مراد وہی عالمی تہذیب و ثقافت ہے جو ڈیجیٹل میڈیا کے ذریعے ہر گھر تک بہت خاموشی سے پہنچ رہی ہے۔ اس ثقافت میں مغربی تہذیب و ثقافت کے عناصر موجود ہیں، جو مشرقی اقدار و اخلاقیات کو تباہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

"مغربی ہندوستانی انداز میں پیش کرنے کی کلا۔ روہت بل نے کام سوتر چولی کھوج نکالی۔ برائپ کا مکسچر ملا دیا۔ بن گئی ہندوستانی کُرتی۔ جسے پہن کر ملیکہ اروڑہ شارخ کے ساتھ جھومتی ہوئی ٹرین کے اوپر گانا گاتی ہے۔ پھر ریا پہنتی ہے تو چلاتے کیوں ہو۔ جھلاتے کیوں ہو۔ اسنیہ نے بالکل گرم لوہے پر چوٹ کی تھی" (۵۵)

سنیل اور اُسکی بیوی اسنیہ کے درمیان اپنی بیٹی ریا کے مغربی انداز کے لباس پر گفتگو جاری ہے۔ پہلے مصنف آگاہ کرتا ہے کہ ہمارے فیشن ڈیزائنر مغربی فیشن اور لباس کو ہندوستانی لباس میں شامل کر رہے ہیں اور ساتھ ہی ہمارا مقامی میڈیا اس کی تشہیر کر رہا ہے۔ اُس تشہیر کو غلط کہنے کی بجائے ہم خود لطف اندوز ہوتے ہیں۔ لیکن جب وہی لباس ہمارے بچے پہنتے ہیں تو ہمیں بُرا لگتا ہے۔ ساتھ ہی مصنف والدین کے دوہرے معیار کو بھی نشانہ بناتے ہیں۔ گلوبلائزیشن اور ڈیجیٹل میڈیا کے تحت مغربی فیشن اور لباس مشرقی معاشروں میں بھی اپنایا جانے لگا ہے۔ جسکی وجہ سے سنیل اپنی بیٹی ریا کو دیکھ نہیں سکتا ہے۔ جس طرح مغربی معاشرے میں خاندانی نظام کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ انفرادی زندگی کی اہمیت زیادہ ہے۔ اسی طرح مشرقی معاشروں میں عالمی ثقافت کے زیر اثر سماجی

خاندانی نظام کمزور ہو رہا ہے۔ روایتی خاندانی اقدار متاثر ہو رہی ہیں۔ خاندان کے دوسرے افراد کو اہمیت دینا یا ان کے لیے قربانی دینے کی روایت معدوم ہو رہی ہے۔ ماضی یا مستقبل سے زیادہ لمحہ موجودہ کو اہمیت دی جانے لگی ہے۔

"سامنے والا ہر آدمی دھوکہ ہے۔ Illusion ہے۔ فریب ہے۔ کسی کے ہنسنے پر کبھی دکھی نہیں ہوتا۔ ہم کس کے لیے جیتے ہیں۔ اپنے لیے ریا۔ کس کے لیے خوش ہوتے ہیں اپنے لیے کس کے لیے کھاتے پیتے ہیں۔ عمر کی گاڑی آگے بڑھاتے ہیں۔ اپنے لیے۔ اس لیے جینے کا سارا فلسفہ اپنے لیے اور صرف اپنے لیے سے جڑا ہے۔" (۵۶)

مصنف ویلسی اور ریا کی گفتگو سے لمحہ موجودہ اور اپنی ذات کی اہمیت کے متعلق پنپنے والی سوچ کے متعلق بیان کرتے ہیں۔ آج کی نوجوان نسل جو ڈیجیٹل میڈیا سے منسلک ہے مشرقی روایتی خاندانی نظام کو مسترد کر چکی ہے۔ ماضی اور مستقبل سے ناٹھ توڑ چکی ہے۔ اُس کے لیے اپنی ذات اور لمحہ موجود کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔

"آج میں جیو کیونکہ۔۔۔ ہم تو ہمیشہ سے ایسے ہیں۔۔۔ ہم ایسے ہی رہیں گے۔ پیچھے مڑ کے مت دیکھو۔۔۔ ہمیشہ ور تمان پر نظر رکھو۔ جو ہو رہا ہے۔ اچھا ہے۔ آگے جو ہو گا اچھا ہو گا۔ یہی اس پوسٹ ماڈرن اتج کا فلسفہ ہے۔" (۵۷)

پوسٹ ماڈرن اتج کا فلسفہ کیا ہے، کہ نہ تو کوئی ماضی نہ مستقبل، نہ رشتہ دار نہ کوئی روایات اور نہ ہی کوئی حدود و قیود ہے۔ گلوبلائزیشن اور ڈیجیٹل میڈیا نے پوری دنیا کو جوڑ ایک ایسا تحفہ اور نظریہ دیا ہے۔ جس کا کوئی ضابطہ نہیں، کوئی اخلاقیات نہیں، پوری دنیا سامنے ہے۔ پوری دنیا سے ہر وقت رابطہ قائم ہے۔ لیکن ماں، باپ، بہن، بھائی اور عزیز واقارب سے کوئی واسطہ نہیں۔ صرف اپنی ذات تک اور ایک مخصوص دائرے تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں۔

ٹیکنالوجی نے جہاں زندگی کے تمام شعبوں کو متاثر کیا ہے وہاں انفرادی و اجتماعی برابری پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ یہ اثرات مثبت اور منفی دونوں طرح کے ہیں۔ ٹیکنالوجی کی ترقی نے پرانے طبقاتی نظام جیسے

جاگیردارانہ نظام کو کمزور کر دیا ہے۔ اسکی وجوہات میں سب سے پہلے صنعتی انقلاب نے مزدوروں کے جاگیرداروں پر معاشی انحصار کو کم کر دیا ہے۔ صنعتی ترقی کی وجہ سے لوگوں نے دیہات سے شہروں کی طرف نقل مکانی کی اور روزگار کے نئے مواقع حاصل کیے۔ جس سے جاگیرداروں کے محکوم طبقے کی تعداد میں نمایاں کمی ہوئی ہے۔ صنعتی ترقی نے انفرادی کاروباری سرگرمیوں کو فروغ دیا، جسکی وجہ سے انفرادی طور پر کم سطح کے لوگوں نے ترقی کر کے انفرادی برابری حاصل کی ہے۔

اس کے ساتھ منفی اثرات میں ٹیکنالوجی کی بدولت بڑے سرمایہ داروں اور بڑی کمپنیوں نے دولت کی تقسیم میں عدم توازن پیدا کیا ہے۔ جو معاشی ناہمواری کا باعث بنا ہے۔ اس معاشی ناہمواری نے معاشرے میں مزید طبقات کو جنم دیا ہے۔ ٹیکنالوجی نے جمہوریت کی ترقی میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہ کردار اپنے حقوق و فرائض عوام سیاست اور سیاسی افراد کے متعلق معلومات کی دستیابی سے ادا ہوا ہے۔

گلوبلائزیشن نے ملکی سرحدوں سے بالاتر ہو کر نسبی، لسانی یا مذہبی بنیاد پر جماعت کے حجم میں اضافہ کیا ہے، اور ساتھ ہی تفریقی یا نفرت انگیز مواد کی تشہیر کی وجہ سے سماجی عدم مساواتی رویے میں اضافے کا باعث بھی بنی ہے۔

مرزا وطن عزیز کے ایک ایسے نیم جاگیردارانہ معاشرے کی تصویر کشی کرتے ہیں جہاں جدید ٹیکنالوجی اس میں سرایت پذیر ہو رہی ہے۔ اور اسکے ثمرات کو مرزا صاحب نے موضوع بنایا ہے۔ ابتداء میں ٹیکنالوجی کی قبولیت کے متعلق معاشرے کے رویے کی طرف اشارے دیئے ہیں۔ مصنف کے مطابق ہمارے معاشرے میں ڈیجیٹل ٹیکنالوجی نے مقتدر حلقوں کے لیے کئی مسائل پیدا کیے ہیں، جس سے انکی انفرادیت اور برتری کو خطرات لاحق ہیں۔ ناول کا مرکزی کردار ذکی جاگیردار خاندان سالار کے منشی عطاء اللہ کا بیٹا ہے، جو پڑھ لکھ کر کمپیوٹر سافٹ ویئر انجینئر بن جاتا ہے۔ ناول میں ذکی کی جدید سائنس و ٹیکنالوجی کی تعلیم انفرادی برابری کا پہلا نقطہ ہے۔ اپنی اس تعلیمی قابلیت اور فیضان سالار کا دوست ہونے کے ناطے سالار کمیونٹی میں اپنی پہچان بنالیتا

ہے۔ لیکن انفرادی برابری کا مظاہرہ اُس وقت ہوتا ہے جب ایک نجی محفل کے دوران مرکزی مہمان یوروائٹین لڑکی ذلیخا خلجی کی توجہ حاصل کر لیتا ہے۔ جس سے سالار کافی پریشان ہوتے ہیں۔

"یہ وہ تو نہیں فیضان کا دوست، دوست یا کیا۔ یا وہ اُن کے کسی منشی مزارعے کا بیٹا ہے۔
ادھر کمپیوٹر کا کام سیکھا ہے۔ میں بلواتا رہتا ہوں۔ جب کبھی کمپیوٹر خراب ہو جاتا ہے۔
اچھا وہ ہاں میں نے بھی بلوایا تھا۔ میری ہارڈ ڈسک کرپٹ ہو گئی تھی، مگر یہ ذکو کمپیوٹر
مکینک ذلیخا خلجی سے کیا باتیں کر رہا ہے۔" (۵۸)

فیضان سالار کا کبے گروپ میں شامل ہو کر تحقیقی عمل کے لیے کمپیوٹر لٹریٹ ذکی کی بدولت انٹرنیٹ سے علمی مواد حاصل کرنا بھی انفرادی برابری کی مثال ہے۔

"سائبر خلا میں میری اصل دشت نوردی اس وقت شروع ہوئی جب فیضان سالار نے اپنا
پہلا مقالہ لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا چونکہ اُسکی اپنی کمپیوٹر خواندگی بہت ہی محدود تھی۔ اس
لیے اس تحقیقی ڈھونڈوائی کے لیے مجھ سے زیادہ موزوں شخص اور کون ہو سکتا
تھا۔" (۵۹)

ناول میں اُس وقت ذکی کی انفرادی برتری کا احساس ہوتا ہے جب وہ فیضان کے دماغ کو کنٹرول کرتا ہے اور اُسے
وعدہ معاف گواہ کی تحریک چلانے پر آمادہ کرتا ہے۔ اور آگے بڑھتے ہوئے ی تحریک سالار نیٹ ورک تک پہنچتی
ہے۔ "یہ فیضان سالار میرا ہے" ایسی صورت حال کے دوران ذکی کا یہ جملہ بار بار دہرانا ذکی کی برتری کو ظاہر کرتا
ہے۔

صفر سے ایک تک میں مرزا اطہر بیگ نے اور مشرف عالم ذوقی نے اپنے ناول پو کے مان کی دنیا میں جدید ٹیکنالوجی
کے تحت اجتماعی برابری پر اثرات کو بیان کیا ہے۔ بین الاقوامی تجارتی کمپنیوں اور ڈیجیٹل میڈیا خاص طور پر
انٹرنیٹ کے ذریعے ترقی پذیر ممالک سے سرمائے کی منتقلی اجتماعی برابری کو متاثر کر رہی ہے۔ سرمائے کی اس

منتقلی سے معاشی عدم توازن پیدا ہوتا ہے۔ "کیونکہ ان ملٹی نیشنل کمپنیوں کو بھارتیہ بازار میں اُتارنے کے پیچھے ان کے گڈفیل فیکٹر رہے ہیں۔ منافع کماؤ۔۔۔۔ اور عیش کرو" (۶۰)

(ج) اشتراکات و افتراقات

مرزا طہریگ کے ناول "صفر سے ایک تک" اور مشرف عالم ذوقی کے ناول "پو کے مان کی دنیا" میں ٹیکنالوجی اور اسکے اثرات کے متعلق قیاس اور آگہی کے کردار کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں ناولوں میں سر ایل ڈیوڈ ایلن کا سافٹ سائنس کے متعلق بیان کردہ دوسرا عنصر بھی موجود ہے۔ اب اپنے موضوع کی مناسبت سے دونوں ناولوں میں اس عنصر کے لحاظ سے اشتراکات و افتراقات معلوم کرنے کے لیے تقابلی جائزہ لیتے ہیں۔

اشتراکات

۱۔ قیاس

ناول پو کے مان کی دنیا اور صفر سے ایک تک میں ٹیکنالوجی کی متعلق قیاس موجود ہے۔

(الف)۔ صفر ایک تک میں پاکستان میں زمین کے ریکارڈ کو کمپیوٹر پر منتقل کرنے کے متعلق قیاس ہے۔

(ب)۔ پو کے مان کی دنیا میں گلوبلائزیشن کے متعلق قیاس موجود ہے۔ ہندوستان میں انٹرنیٹ کی رسائی اور اسکی بدولت عالمی گاؤں میں شمولیت شامل ہے۔

۲۔ ٹیکنالوجی کے نفسیاتی اثرات

(الف)۔ پو کے مان کی دنیا میں ٹیکنالوجی کے مثبت اور منفی دونوں طرح کے نفسیاتی اثرات بیان کیے گئے ہیں۔

مثبت اثرات میں ٹیکنالوجی کے تحت نفسیاتی معیار کے بنیادی عوام جیسے شعور خود اعتمادی اور مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے کو بیان کیا گیا ہے۔

منفی اثرات میں ویڈیو گیمز اور فینٹسی کی وجہ سے پیدا ہونے والے پر تشدد رویے اور پورنو گرافی کی وجہ سے پیدا ہونے والے جنسی رجحان کو بیان کیا گیا ہے۔

(ب) صفر سے ایک تک میں ٹیکنالوجی کے مثبت اور منفی دونوں طرح کے اثرات بیان کیے گئے ہیں۔

مثبت اثرات میں ٹیکنالوجی کے تحت علم اور معلومات کی دستیابی سے ذہنی صلاحیتوں میں اضافے کو بیان کیا گیا ہے۔

منفی اثرات میں ویڈیو گیم کی وجہ سے پیدا ہونے والے پر تشدد رویے کو بیان کیا گیا ہے۔

س۔ ٹیکنالوجی کے ترسیل معلومات پر اثرات

(الف)۔ پو کے مان کی دنیا میں ٹیکنالوجی کے ترسیل معلومات کے متعلق منفی اثرات بیان کیے گئے ہیں۔

موبائل کے ذریعے غیر اخلاقی پیغامات غیر اخلاقی گفتگو اور نامعلوم نمبروں سے تنگ کرنے جیسے مسائل کے اثرات کو بیان کیا ہے۔ موبائل کے ذریعے تنہائی میں انفرادی گفتگو کے اثرات کو بیان کیا ہے۔

(ب)۔ صفر سے ایک تک میں ٹیکنالوجی کے ترسیل معلومات کے متعلق مثبت اور منفی دونوں طرح کے اثرات بیان کیے ہیں۔

(۱)۔ موبائل اور سمارٹ فونز کی جدید ٹیکنالوجی کے ترسیل معلومات پر مثبت اثرات بیان کیے گئے ہیں۔ اس کی بدولت ہر وقت ہر جگہ پر رابطہ میں سہولت حاصل ہوئی ہے۔

(۲)۔ انٹرنیٹ کی ٹیکنالوجی نے تیز ترین اور تصویری رابطہ کے ذریعے نے ترسیل معلومات پر مثبت اثرات مثبت کیے ہیں۔ اس کے توسط سے سوشل میڈیا پر دو افراد کے درمیان رابطہ فراہم کر رہا ہے۔

(۳)۔ ترسیل معلومات پر ٹیکنالوجی کے منفی اثرات میں رابطہ کی ان جدید ٹیکنالوجی کے ذرائع کا مجرموں کے لیے سہولت کاری کو بیان کیا ہے۔

(۴)۔ سرمایہ داری اور صارفیت پر اثرات

(الف)۔ پوکے مان کی دنیا میں سرمایہ داری اور صارفیت پر ٹیکنالوجی کے منفی اثرات کو بیان کیا ہے۔

جدید ٹیکنالوجی کے تحت ویڈیو گیمز اور تجارت کی بین الاقوامی کمپنیوں نے مقامی سرمایہ داری اور صارفیت کو متاثر کیا ہے۔ بین الاقوامی کمپنیوں نے ترسیلات زر اور وسائل کے اثرات سے مقامی کمپنیوں کو نقصان پہنچایا ہے۔ جدید ڈیجیٹل ٹیکنالوجی نے بین الاقوامی بازار تشکیل دیا ہے۔

(ب)۔ صفر سے ایک تک میں سرمایہ داری اور صارفیت پر ٹیکنالوجی کے مثبت اور منفی دونوں طرح کے اثرات کو بیان کیا ہے۔

(۱)۔ مواصلاتی ٹیکنالوجی نے گلوبلائزیشن کے تحت سرمایہ داری اور صارفیت کو جو سہولت فراہم کی ہے، کا بیان اس ناول میں ہے۔

(۲)۔ اس ناول میں طبی ٹیکنالوجی کے تحت ترقی پذیر ممالک کی عوام پر خفیہ طبی تجربات زر کی ترسیلات اور ترقی پذیر ممالک کے وسائل و مراعات کے استعمال کے اثرات کا بیان شامل ہے۔

(۵)۔ ٹیکنالوجی کے روایات اور ثقافت پر اثرات

(۱)۔ پوکے مان کی دنیا میں روایات و ثقافت پر ٹیکنالوجی کے منفی اثرات کو بیان کیا گیا ہے۔

قدیم اور جدید روایات کا موازنہ پیش کر کے ٹیکنالوجی کے تہذیب و ثقافت پر منفی اثرات کو بیان کیا گیا ہے۔ ڈیجیٹل ٹیکنالوجی اور گلوبلائزیشن کے تحت مغربی ثقافت کے زیر اثر عالمی ثقافت کے مشرقی ثقافت پر منفی اثرات کو بیان کیا گیا ہے۔ خصوصاً وایتی خوراک اور روایات کے خلاف غیر اخلاقی مواد کی دستیابی کو بیان کیا گیا ہے۔

(ب)۔ صفر سے ایک تک میں ٹیکنالوجی کے روایات و ثقافت پر مثبت اور منفی دونوں طرح کے اثرات بیان کیے گئے ہیں۔

(۱)۔ زبان پر مثبت اثرات میں زبان کی نئی وضع سائنسی اصطلاحات اور عنوان موجود ہیں۔

(۲)۔ سائنسی علم اور تحقیق کا انگریزی زبان میں ہونے کی وجہ سے اردو پر انگریزی کے دباؤ کا اظہار موجود ہے۔

(۶)۔ ٹیکنالوجی کے انفرادی و اجتماعی برابری پر اثرات

(الف)۔ پو کے مان کی دنیا میں ٹیکنالوجی کے اجتماعی برابری پر منفی اثرات کو بیان کیا گیا ہے۔

ٹیکنالوجی کے تحت اجتماعی برابری پر منفی اثرات میں سرمائے کی منتقلی کو بیان کیا گیا ہے۔

(ب)۔ صفر سے ایک تک میں ٹیکنالوجی کے انفرادی برابری پر مثبت اور اجتماعی برابری پر منفی اثرات کو بیان کیا گیا ہے۔

(۱)۔ سائنس و ٹیکنالوجی کی تعلیم اور معلومات کی فراہمی کی بدولت انفرادی برابری پر اثرات کو بیان کیا گیا ہے۔

(۲)۔ منفی اثرات میں سائنس و ٹیکنالوجی کے ذریعے سرمائے کی منتقلی کو بیان کیا گیا ہے۔

افتراقات

(۱)۔ ٹیکنالوجی کے سیاست پر اثرات

پو کے مان کی دنیا میں ٹیکنالوجی کے سیاست پر منفی اثرات کو بیان کیا گیا ہے۔

سیاستدانوں کا ٹیکنالوجی کے ذریعے لوگوں کی نفسیات پر اثر انداز ہونا اور اپنے ذاتی فائدے کے لیے استعمال کرنا بیان کیا گیا ہے۔

میڈیا ٹیکنالوجی اور سیاست کے گٹھ جوڑ کو بیان کیا گیا ہے۔

(۲)۔ ٹیکنالوجی کے اقدار و اخلاقیات پر اثرات

پو کے مان کی دنیا میں ٹیکنالوجی کے اقدار و اخلاقیات پر منفی اثرات کو بیان کیا گیا ہے۔

(۱)۔ ٹیکنالوجی اور گلوبلائزیشن کے منفی اثرات کو بیان کیا گیا ہے۔ میڈیا کے ذریعے غیر اخلاقی مواد کی تشہیر اور فراہمی کے اثرات کو بیان کیا گیا ہے۔

(۲)۔ ماڈرن ایج فلسفہ کا اور اس کے تحت مشرقی اقدار پر منفی اثرات کو بیان کیا گیا ہے۔

مختصر جائزہ

اس باب میں سائنس فکشن کے عنصر ٹیکنالوجی کے متعلق قیاس اور انسانی رویوں پر اثرات کا مطالعہ اور تقابل سے یہ کہہ سکتے ہیں دونوں تصانیف میں ٹیکنالوجی کے متعلق قیاس پایا جاتا ہے۔ ناول "صفر سے ایک تک" میں کمپیوٹر ٹیکنالوجی کے استعمال کے متعلق قیاس پایا جاتا ہے۔ جو ناول کے منظر عام پر آنے کے چند سال بعد حقیقت ہو گیا۔ مشرف ذوقی نے "پو کے مان کی دنیا" میں ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کے اثرات کے متعلق جو قیاس کیا ہے وہ بھی آج حقیقت کے روپ میں موجود ہے۔

مرزا طہریگ اور مشرف ذوقی نے ٹیکنالوجی کے نفسیات پر مثبت اور منفی دونوں طرح کے اثرات بیان کیے ہیں۔ ٹیکنالوجی کے نفسیات پر مثبت اثرات میں تعلیم اور معلومات کی دستیابی میں آسانی اور عقل و شعور کی بیداری شامل ہیں۔ اس کے منفی اثرات میں پر تشدد رویوں اور خوف و ہراس کی کیفیت پیدا ہونا ہے۔

"پو کے مان کی دنیا" میں ٹیکنالوجی کے ترسیلات معلومات، روایات و ثقافت اور اقدار و اخلاقیات پر منفی اثرات کے متعلق شعور و آگہی پیدا کی گئی ہے۔ "صفر سے ایک تک" میں ان کے متعلق مثبت اور منفی دونوں طرح کے اثرات کے متعلق شعور و آگہی پیدا کی گئی ہے۔ اس مطالعہ سے ہمیں یہ واضح ہوتا ہے کہ ترسیلات معلومات اور رابطے کے جدید ذرائع نے فائدہ اور سہولت کے ساتھ مسائل بھی پیدا کیے ہیں۔

"صفر سے ایک تک" میں ٹیکنالوجی کے سیاست اور اقدار و اخلاقیات پر اثرات کو بیان نہیں کیا گیا ہے۔ جبکہ "پو کے مان کی دنیا" میں ٹیکنالوجی کے ان پر منفی اثرات کو بیان کیا ہے۔ مفاد پرست سیاستدانوں کا میڈیا کے سہارے عوام کے استحصال اور نا انصافی کو بیان کیا گیا ہے۔ ٹیکنالوجی کی وجہ سے معاشرے میں بڑھتے اخلاقی مسائل کے متعلق شعور و آگہی پیدا کی گئی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ Neil Barron ,Anatomy of wonder a critical guide to science fiction, Thirddedtion, R.R. Bowker Company New York, London 1987, P-26

۲۔ ناظم الدین، لینڈ ریکارڈ کمپیوٹرائزیشن۔۔۔ حکومت پنجاب کا عظیم کارنامہ و مطبوعہ ۱۰ ستمبر ۲۰۱۳ء، ای۔ اخبار روزنامہ اخبار پاکستان، ۲۱ اکتوبر ۲۰۲۳ء، ۱۰:۱۲AM

۳۔ ایضاً، ۲۱ اکتوبر ۲۰۲۳ء، ۱۰:۱۵AM

۴۔ <https://www.britannica.com/search?query=globlization>,

10november,2024,11:12pm

۵۔ مصطفی محمد طحان، ترجمہ ڈاکٹر محمد سمیع اختر، گلوبلائزیشن دنیا کی تشکیل نو، بلال پبلیکیشنز، پٹی، ۲۰۰۲ء، صفحہ نمبر ۶۰

۶۔ www.ispak.pk/history-of-internet-in-Pakistan,15november

, 2024, 10:00 pm

۷۔ www.ispak.pk/history-of-internet-in-Pakistan,15november

, 2024, 10:30 pm

۸۔ https://en.wikipedia.org/wiki/Internet_in_Pakistan

,25november,2024,4:30pm

۹۔ https://en.wikipedia.org/wiki/Internet_in_India,25

november,2024,5:00pm

<https://www.news18.com/news/tech/20-years-of-internet-in-india-on-august-15-1995-public-internet-access-was-launched-in-india-1039859.html>, 25 november, 2024, 5:22pm

https://en.wikipedia.org/wiki/Internet_in_India, 27 november, 2024, 3:35pm

<https://www.statista.com/statistics/255135/internetpenetration-In-India>, 27 November, 2024, 4:00 pm

۱۳۔ مرزا طہر بیگ، صفر سے ایک تک، صفحہ نمبر ۵۰

۱۴۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۴۲

۱۵۔ Craig A Anderson PhD Iowa state university of science and technology and Koren E.Dill, PhD, Lenoir Rhyne College, American psychological Association, Article: Video Games and aggressive thoughts, feelings, and behavior in the laboratory and in life, Journal of personality and social psychology, vol.78, p.no.4

۱۶۔ مشرف عالم ذوقی، پوکے مان کی دنیا، صفحہ نمبر ۴۱

۱۷۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۲۸۹

۱۸۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۲۹۲

Dr.Neeraj Khatri, Media in 21st century, Random
Publications, New Delhi, India, 2014, P-67

۲۰۔ مشرف عالم ذوقی، پوکے مان کی دنیا، صفحہ نمبر ۱۸۱

۲۱۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۲۱۹

۲۲۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۲۲۳

۲۳۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۲۲۴

۲۴۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۲۲۵

۲۵۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۲۲۵

۲۶۔ مرزا اطہر بیگ، صفر سے ایک تک، صفحہ نمبر ۱۵۱

۲۷۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۱۵۱

۲۸۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۴۹

۲۹۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۱۵۲

۳۰۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۲۲۹

۳۱۔ مشرف عالم ذوقی، پوکے مان کی دنیا، صفحہ نمبر ۶۷، ۶۸

۳۲۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۶۹

۳۳۔ مصطفیٰ محمد طحان، ترجمہ ڈاکٹر محمد سمیع اختر، گلوبلائزیشن دنیا کی تشکیل نو، صفحہ نمبر ۴۵

۳۴۔ مرزا اطہر بیگ، صفر سے ایک تک، صفحہ نمبر ۱۷۴

۳۵۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۱۷۶

۳۶۔ مصطفیٰ محمد طحان، ترجمہ ڈاکٹر محمد سمیع اختر، گلوبلائزیشن دنیا کی تشکیل نو، صفحہ نمبر ۴۶

۳۷۔ مرزا اطہر بیگ، صفر سے ایک تک، صفحہ نمبر ۱۹۶

۳۸۔ [www.wikipedia.org /Nintendo](http://www.wikipedia.org/Nintendo), 10december, 2024, 3:45pm

۳۹۔ مشرف عالم ذوقی، پوکے مان کی دنیا، صفحہ نمبر ۲۸۸

۴۰۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۲۸۹

۴۱۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۳۲۲

۴۲۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۳۲۷

۴۳۔ ثقافت کیا ہے؟ احمد ندیم قاسمی / خلیفہ عبدالحکیم / ڈاکٹر محمد اجمل، ناشر قاضی جاوید، ناظم ادارہ ثقافت اسلامیہ، اشاعت دوم ۲۰۱۲، صفحہ نمبر ۹

۴۴۔ ڈاکٹر عطش درانی، اکیسویں صدی کی اردو نئے تقاضے، قومی ادارہ برائے ترقی قومی زبان اردو، ۲۰۰۲، صفحہ نمبر ۴۸

۴۵۔ امجد طفیل، پاکستانی اردو ناول اکیسویں صدی کی ابتدائی دہائی میں، مشمولہ اردو ناول کی پیش رفت، از ڈاکٹر منصور خوشتر، بک ٹاک، میاں چیمبرز، ۳ ٹمپل روڈ لاہور، ۲۰۱۹، ص نمبر ۱۵۳

۴۶۔ مرزا اطہر بیگ، صفر سے ایک تک، صفحہ نمبر ۲۱

۴۷۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۲

۴۸۔ مشرف عالم ذوقی، پوکے مان کی دنیا، صفحہ نمبر ۲۴۱

۴۹۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۲۴۲

۵۰۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۲۴۲

۵۱۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۲۳

۵۲۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۶۴

۵۳۔ روزنامہ جنگ، لاہور، ۲۷ مئی ۲۰۲۱ء

۵۴۔ مشرف عالم ذوقی، پوکے مان کی دنیا، صفحہ نمبر ۶۵

۵۵۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۵۶، ۵۵

۵۶۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۱۲۷

۵۷۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۱۳۳

۵۸۔ مرزا طہریگ، صفر سے ایک تک، صفحہ نمبر ۲۸

۵۹۔ ایضاً، صفحہ نمبر ۵۰

۶۰۔ مشرف عالم ذوقی، پوکے مان کی دنیا، صفحہ نمبر ۳۲۳

باب چہارم

ماحصل

(الف) مجموعی جائزہ

ناول صفر سے ایک تک کا ذیلی نام سائبر سپیس کے منشی کی سرگزشت ہے۔ یہ ناول دراصل جدید ٹیکنالوجی کمپیوٹر اور تکنیکی ترقی کے متعلق ہے۔ اس ناول کا عنوان جدت اور موضوع انفرادیت کے ساتھ اکیسویں صدی کی معلومات اور تکنیکی ترقی کے تقاضوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ صفر سے ایک تک کا انتساب مرزا اطہر بیگ نے "ایلن تورنگ" جو کہ ایک انگریز ریاضی دان اور سائنسدان تھے کے نام کیا ہے۔ ایلن تورنگ نے جنگ عظیم دوم میں جرمنی کی فوج کے خفیہ پیغاماتی کوڈز کو توڑنے کا کام سرانجام دیا۔ وہ بہ یک وقت خفیہ تجزیہ کار، فلسفی، بائیولوجسٹ، ریاضی دان اور کمپیوٹر سائنس دان تھے۔ انہیں مصنوعی ذہانت کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ انہی کی تیار کردہ خود کار کمپیوٹنگ مشین جو انہوں نے طبعی لیبارٹری میں تیار کی آج کے موجودہ کمپیوٹر کی ایجاد کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ اس ناول کا نام صفر سے ایک تک کمپیوٹر کی دنیا میں بانسری نظام کی بنیاد ہے۔ بانسری نظام 1,0 کی مدد سے کمپیوٹر اپنا تمام معلوماتی مواد وصول اور محفوظ اور ظاہر کرتا ہے سادہ الفاظ میں کمپیوٹر جو زبان اپنی مشینری کے لیے استعمال کرتا ہے اس کے صرف دو حروف ہیں صفر اور ایک جس پر کمپیوٹر کا پورا نظام چلتا ہے۔ اس ناول کا نام بھی کمپیوٹر کی اس بنیادی زبان کو سامنے رکھتے ہوئے مصنف نے تحریر کیا ہے۔ پو کے مان دراصل ایک جاپانی کمپنی کے تیار کردہ کارٹون ویڈیو گیم کے کردار کا نام ہے۔ پو کے مان دراصل پاکٹ مانسٹر کا مخفف ہے۔ ۱۹۹۶ یہ گیم میں تیار کی گئی اس گیم کو ٹریڈنگ کارڈ گیم بھی کہتے ہیں کیونکہ اس گیم کی ویڈیوز کے ساتھ ان کرداروں کے کارڈ بھی بازار میں دستیاب ہوتے ہیں۔ ان کارڈز پر ان مانسٹرز کے نام وزن اور طاقت بھی درج ہوتی ہے۔ یہ گیم دنیا میں ویڈیو گیمز کی فہرست میں دوسرے نمبر پر ہے۔

ان دونوں ناولوں میں سائنس کی بدولت ٹیکنالوجی کی ترقی اور اس سے پیدا شدہ مسائل کو موضوع بنایا گیا ہے۔ خاص طور پر سائبر کی دنیا کو موضوع بنایا گیا ہے جس سے آج کا انسان نبرد آزما ہے۔ اسے ی کے متعلق نعیم انیس اپنی کتاب "اکیسویں صدی میں اردو ناول" میں لکھتے ہیں۔

"مرزا اطہر بیگ نے ایک اور ناول "صفر سے ایک تک" کے عنوان سے ۲۰۰۸ لکھا ہے۔ جس کا موضوع پہلے ناول سے بالکل مختلف ہے۔ ناول کے عنوان سے ابتدا میں یہ تو اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ ناول سائبر ورلڈ جیسے موضوع کو اپنے اندر سمیٹے ہوا ہے لیکن متن کی قرات کی بعد ناول کا عنوان معنی خیز معلوم ہونے لگتا ہے۔ صفر اور ایک کمپیوٹر کی اصطلاح میں بائرنی نمبرس ہیں۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ یہ ناول ان جدید مسائل کو بطور خاص موضوع بناتا ہے۔ جس سے آج کا انسان نبرد آزما ہے اور انسان اپنی داخلیت میں اسی وجہ سے پریشان بھی ہے ساتھ ہی ذہنی پریشانیوں انفارمیشن ٹیکنالوجی کے دور کا ہی عطیہ ہیں۔ ہمارے ہاں شمول احمد کا افسانہ "عکبوت" اور مشرف عالم ذوقی کا ناول "پوکے مان کی دنیا" سائبر کرائم کے ہی غماز ہیں۔ ان تخلیقات میں اس بات کا اظہار شدت سے ملتا ہے کہ انسان نے ذہنی طور پر سائنس کے میدان میں جتنی ترقی کر لی ہو لیکن وہ جسمانی طور عریاں ہوتا چلا گیا ہے اور سائبر ورلڈ میں انسان کی حیثیت اس کیڑے کی طرح ہے جہاں وہ جال میں گھرا ہوا ہے۔" (۱)

معاشرہ اور ٹیکنالوجی آپس میں بہت گہرے طور پر جڑے ہوئے ہیں۔ معاشرہ اور ٹیکنالوجی کا ایک دوسرے پر انحصار مشترکہ پیداوار (Co-production) اور اجادہ داری (Monoply) کے ذریعے ظاہر ہوتا ہے۔ مشترکہ پیداوار کا مطلب معاشرے اور ٹیکنالوجی کا ایک دوسرے کو تخلیق کرنا ہے اور ضرورت کے مطابق شکل دینا ہے۔

ٹیکنالوجی کی تخلیق اور ڈیزائن معاشرتی ضروریات اقدار اور توقعات کے تحت ہوتی ہے پہلے پہل انسان نے جانوروں کا شکار اور خونخوار جانوروں سے بچنے کے لئے ہتھیار اور اوزار بنائے۔ معاشرتی ترقی کی منازل طے کر

تے ہوئے جب انسان نے اشیائے ضروریہ کی پیدائش اور بناوٹ میں مہارت حاصل کی تو ساتھ ہی اسے ان چیزوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کی ضرورت محسوس ہوئی تو پہلی تخلیق کیا جس سے گھوڑا اور بیل گاڑی سے ہوتے ہوئے آج ذرائع نقل و حمل کے جدید ذرائع ایجاد کر لیے۔ صنعتی ترقی کے دور میں بے پناہ آلات اور مشین انسان نے اپنی ضرورت اور سہولت کے لئے بنالیں۔ انسان کے لیے معاصر مسائل اور ضرورت ماحول اور خود کو ان آلات، مشینوں اور ٹیکنالوجی کے ضمنی مضر اثرات سے بچانا ہے۔ جیسے ماحول کی خاطر حضرت انسان نے ماحول دوست توانائی کی ٹیکنالوجی جیسے شمسی توانائی بھی ایجاد کر ڈالی ہے۔ انسان جب ایک بار ٹیکنالوجی کو ایجاد کر لیتا ہے اور معاشرے میں شامل استعمال ہو جاتی ہے تو توانائی خود معاشرتی ڈھانچوں، تعلقات اور رویوں کو تبدیل کر دیتی ہے۔ پہلے پہل جب انسان غیر ترقی یافتہ اور کم تہذیب یافتہ تھامین کے مخصوص خطہ تک محدود تھا۔ اپنے ایک محدود معاشرے تک مقید تھا۔ آج ٹیکنالوجی کی ترقی کی بدولت انسان ایک عالمگیر معاشرے میں رہتا ہے۔ کسی ایک خطہ تک محدود رہنے کی بجائے تمام براعظم اس کے پاؤں تلے ہیں۔ رابطے اور معلومات کے جدید ذرائع کی وجہ سے لوگوں کے آپس میں تعلقات اور رابطے کے طور طریقے بدل گئے ہیں۔ جس سے ثابت ہے کہ معاشرہ اور ٹیکنالوجی دونوں ایک ساتھ مل کر چلتے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کی ترقی کے لیے ضروری ہیں۔ معاشرہ کی ضرورت ٹیکنالوجی پوری کرتی ہے اور پھر ٹیکنالوجی معاشرے کو اپنے مطابق ڈھالتی ہے۔

اجارہ داری سے مراد ٹیکنالوجی یا ٹیکنالوجی کی مدد سے چند کمپنیاں یا پلیٹ فارمز کا سارے معاشی اور معاشرتی نظام کو اپنی گرفت میں لینا ہے۔ اس اجارہ داری نے معاشرتی نظام پر بہت گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ ٹیکنالوجی کی وجہ سے اجارہ داری نے معاشرتی اقدار، ثقافت، نفسیات، روابط اور اخلاقیات کو متاثر کیا ہے۔ اگر معلومات اور نفسیات پر اثرات کا جائزہ لیں تو ٹیکنالوجی کی مدد سے چند مخصوص کمپنیوں نے ایسی مصنوعات اور خدمات کو معاشرے کا لازمی جزو بنادیا ہے۔ جو ہمارے لیے معلومات کی فراہمی کا ذریعہ ہیں اور معلومات کے بہاؤ کو اپنے کنٹرول میں رکھتے ہوئے مخصوص تناظر کی معلومات فراہم کرتی ہیں جو ہماری نفسیات پر مطلوبہ اثرات چھوڑتی

ہیں۔ ان کمپنیوں کی مثال میں گوگل اور فیس بک اہم ہیں۔ ان کی جیسی معلوماتی اور سوشل میڈیا کمپنیوں کے مخصوص الگورتھمز خبروں اور مواد کو فلٹر کر کے مخصوص علاقے اور مخصوص افراد کو مخصوص معلومات فراہم کرتے ہیں جس سے غیر جانبداری اور معاشرتی تقسیم کے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ سوشل میڈیا پلیٹ فارمز نے نئے مواقع اور سہولت تو مہیا کر دی ہے لیکن ساتھ ہی صارفین کی معلومات پر انکی مکمل اجارہ داری ہے۔ صارفین میں انحصاریت پیدا کر کے بھی اجارہ داری قائم کی جا رہی ہے۔

اسی طرح چند مخصوص عالمی کمپنیاں ٹیکنالوجی کی مدد سے دنیا کے معاشی نظام پر اجارہ داری قائم کرتی ہیں۔ منافع اور اصل زر کا زیادہ تر حصہ اپنے پاس رکھتی ہیں اور غیر ترقی یافتہ اور چھوٹی کمپنیوں کے لیے چھوٹے کاروبار اور کم منافع رہ جاتا ہے۔ ٹیکنالوجی کی مدد سے بڑی بڑی کمپنیوں نے سوشل پلیٹ فارمز کے تحت معاشرتی تعلقات کو نئی تشکیل دی ہے۔ جیسے فیس بک اور انسٹا گرام وغیرہ نے رابطے اور معاشرتی شمولیت کے طور طریقوں کو یکسر بدل کر رکھ دیا ہے۔

سماجی ثقافت اور ٹیکنالوجی ایک دوسرے کو متاثر کرتے ہیں۔ متاثر کرنے کا یہ عمل دونوں اطراف سے برابر ہے۔ یہ تعلق جس کے تحت ایک دوسرے کو متاثر کرتے ہیں کافی گہرا اور پیچیدہ ہے۔ یہ تعلق آج سے نہیں بلکہ انسانی تاریخ میں ارتقا کا حصہ رہا ہے۔ آج کا دور چونکہ ٹیکنالوجی کا دور ہے لہذا اس کی اہمیت مزید بڑھ گئی ہے۔ ٹیکنالوجی کی تشکیل سماجی ثقافت کے زیر اثر ہوتی ہے۔ ہر سماج اپنی ضرورت کے تحت ٹیکنالوجی کو ایجاد و استعمال کرتا ہے۔ صنعتی انقلاب نے مشینوں کو فروغ دیا جبکہ ملکی حفاظت کے پیش نظر جنگی آلات کی ترقی اور تیاری کا عمل شروع ہوا۔ ہر سماج اپنی ثقافتی اقدار کے مطابق ٹیکنالوجی کو اپناتا اور استعمال کرتا ہے۔ اسی طرح ٹیکنالوجی نے انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو متاثر کیا ہے۔ رابطے میں تیزی اور جدید انداز نے سماجی رویوں اور تعلقات کو تبدیل کر دیا ہے۔ معلومات اور آگہی کے نئے طریقوں نے علم تک رسائی کو آسان بنا دیا ہے۔ ٹیکنالوجی نے ثقافتی روایات اور رسم و رواج کو متاثر کیا ہے۔

اس تحقیقی عمل سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ ٹیکنالوجی بری چیز نہیں ہے۔ ٹیکنالوجی نے ہماری زندگی میں سہولت، علم اور سوچ میں وسعت پیدا کی ہے۔ ٹیکنالوجی بری نہیں ہوتی اس کا غلط استعمال بُرا ہوتا ہے۔ غلط استعمال سے ضروری اور کارآمد اوزار خطرناک ہتھیار بن جاتے ہیں جس سے کسی انسان کی جان بھی جاسکتی ہے۔ لہذا ہمیں ٹیکنالوجی کے استعمال کے متعلق قانون سازی کر کے اصول و ضوابط متعین کرنے چاہیں۔

مغربی ادب میں سائنس و ٹیکنالوجی کے متعلق قیاس اور اسکے فوائد و مضمرات کے متعلق آج سے ایک صدی پہلے باقاعدہ تحریر ہونا شروع ہو گیا تھا۔ ادبی پاروں کی سائنسی نقطہ نظر سے تحقیق اور تنقید کا سلسلہ بھی بہت پرانا ہے۔ جیسے مارشل میک لوہان (Marshall McLuhan) نے ۱۹۶۴ء میں انسان کی توسیع (Extension of man) نظریہ پیش کیا۔ اس نظریے کے مطابق میڈیا اور ٹیکنالوجی نے انسانی صلاحیتوں کو وسعت بخشی ہے۔ جبکہ ساتھ میں معاشرے، ثقافت اور انسانی تجربے کو بھی تبدیل کیا ہے۔ مارشل میک لوہان ٹیکنالوجی کے فوائد کے ساتھ اسکے معاشرے اور فرد پر اثرات کو بیان کرتے ہیں۔

مشرف عالم ذوقی نے اپنے ناول "پو کے مان کی دنیا" میں ٹیکنالوجی اور معاشرے کا ایک دوسرے پر انحصار اجارہ داری سے ظاہر کیا ہے۔ جبکہ مرزا اطہر بیگ نے اپنے ناول "صفر سے ایک تک" ہمیں مشترکہ پیداوار اور اجارہ داری دونوں پر ٹیکنالوجی اور معاشرے کے انحصار کو ظاہر کیا ہے۔

اگر ٹیکنالوجی کے فوائد اور اثرات دونوں کے بیان کے لحاظ سے دیکھا جائے تو مرزا اطہر بیگ کا ناول "صفر سے ایک تک" مشرف عالم ذوقی کے ناول "پو کے مان کی دنیا" سے آگے معلوم ہوتا ہے۔

(ب) تحقیقی نتائج

موضوع "اردو ناول اور سافٹ سائنس فکشن: پوکے مان کی دنیا اور صفر سے ایک تک کا تقابلی مطالعہ" کے حوالے سے تحقیقی کام کے بعد درج ذیل نتائج سامنے آئے ہیں۔

۱۔ اکیسویں صدی سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے عروج کی صدی ہے۔ آج جب ٹیکنالوجی کے بغیر زندگی کا تصور ممکن نہیں ہے۔ معاصر ادب کے دونوں ادیب مرزا اطہر بیگ اور مشرف عالم ذوقی نے ماحول میں شامل ان عناصر کے اثرات اور پیدا شدہ مسائل کو محسوس کر کے بیان کیا ہے۔

۲۔ سافٹ سائنس فکشن ناول میں ناول کے بنیادی اجزاء کے ساتھ ایسے امتیازی عناصر بھی موجود ہوتے ہیں جو اسے دوسرے ادبی ناولوں سے ممتاز بناتے ہیں۔ ایل ڈیوڈ ایلین کے مطابق سافٹ سائنس فکشن کے امتیازی عناصر سائنس و ٹیکنالوجی کے متعلق قیاس کرنا اور معاشرتی سائنس پر توجہ مذکور کرنا ہیں۔ ناول "صفر سے ایک تک" اور "پوکے مان کی دنیا میں" یہ امتیازی عناصر موجود ہیں۔

۳۔ سافٹ سائنس فکشن آنے والے وقت میں وقوع پذیر ہونے والے لیکن حالیہ غیر موجود حالات یعنی مخصوص حالات میں انسانی معاشرت، ثقافت و نفسیات اور سیاست کو متاثر کرنے والے عوامل اور ان کے تحت پیدا ہونے والے مسائل کی عکاسی کرتی ہے۔ ناول "صفر سے ایک تک" اور "پوکے مان کی دنیا" میں مخصوص حالات میں معاشرتی ثقافتی نفسیاتی اور سیاسی مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔

۴۔ سائنس فکشن کا طرہ امتیاز سائنس یا ٹیکنالوجی کے متعلق قیاس کرنا اور آنے والے وقت میں ان کے فرد و معاشرے کو حاصل ہونے والے ممکنہ فوائد اور نقصانات بیان کرنا ہے۔ ناول "پوکے مان کی دنیا" اور "صفر سے ایک تک" میں ٹیکنالوجی کے متعلق قیاس اور ان کے ممکنہ فوائد و نقصانات بھی بیان کیے گئے ہیں۔

۵۔ ناول "پوکے مان کی دنیا" میں ٹیکنالوجی کے صرف منفی اثرات کو بیان کیا گیا ہے۔ ناول "صفر سے ایک تک" میں ٹیکنالوجی کے مثبت اور منفی دونوں طرح کے اثرات بیان کیے گئے ہیں۔

۶۔ ناول "پو کے مان کی دنیا" میں ٹیکنالوجی کے سیاست اور اقدار و اخلاقیات پر اثرات و ضاحت سے بیان کیے گئے ہیں ناول "صفر سے ایک تک" میں ٹیکنالوجی کے سیاست اور اقدار و اخلاقیات پر اثرات بیان نہیں کیے گئے ہیں۔

(ج): سفارشات

۱۔ سائنسی تخیل وقت کی ضرورت ہے۔ اس تخیل کے ساتھ ادبی سائنسی تحقیقی اور تنقیدی سوچ اور نقطہ نظر بھی ضروری ہے۔ معاشرہ اور اسکے مسائل کے ساتھ ادبی پاروں کو بھی اسی تناظر میں پرکھنا چاہیے۔

۲۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی وجہ سے ہماری معاشرتی اقدار اور سماجی رویوں میں تبدیلی آرہی ہے۔ مستقبل میں ٹیکنالوجی کیسی ہوگی اور اسکی وجہ سے معاشرہ کیسا ہوگا کے متعلق آگہی کے لیے ادبی پاروں کو سائنس فکشن کے تناظر میں دیکھنا چاہیے۔

۳۔ "صفر سے ایک تک" یا "پو کے مان کی دنیا" کا یان کے جیسے ناولوں کا تقابل مغربی سائنس فکشن ناولوں سے کرنا چاہیے جیسے جارج آر ویل کا ۱۹۸۴ء وغیرہ۔

۴۔ سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی اور اس کے اثرات کی اہمیت کے پیش نظر سائنس فکشن کو نصاب میں شامل کرنا چاہیے۔

۵۔ سائنس و ٹیکنالوجی کی اہمیت اور وقت کے تقاضوں کے تحت اردو سائنس بورڈ کو فعال کیا جائے تاکہ بچوں اور نوجوانوں میں سائنسی شعور پیدا کیا جاسکے۔

حوالہ جات

- ۱۔ محمد غالب نشتر، اکیسویں صدی میں پاکستان میں اردو ناول، مشمولہ اکیسویں صدی میں اردو ناول، ڈاکٹر نعیم انیس، دی مسلم انسٹیٹیوٹ، کولکاتا، ۲۰۱۶ء، ص ۲۵۲-۲۵۳

کتابیات

بنیادی مآخذ

مرزا اطہر بیگ، صفر سے ایک تک، سانجھ پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۰۹
مشرف عالم ذوقی، پوپ کے مان کی دنیا، ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، گلی وکیل، کوچی پنڈت لال کنواں، دہلی، ۲۰۰۴

ثانوی مآخذ

امجد طفیل، پاکستانی اردو ناول اکیسویں صدی کی ابتدائی دہائی میں، مشمولہ اردو ناول کی پیش رفت، از ڈاکٹر منصور خوشتر، بک ٹاک، میاں چیمبرز، ۳ ٹمپل روڈ لاہور، ۲۰۱۹
برٹریڈر سل، معاشرے پر سائنس کے اثرات، بک ہوم پبلیکیشنز لاہور
ثقافت کیا ہے؟ احمد ندیم قاسمی / خلیفہ عبدالحکیم / ڈاکٹر محمد اجمل، ناشر قاضی جاوید، ناظم ادارہ ثقافت اسلامیہ، اشاعت دوئم ۲۰۱۲

جمال نقوی، ادب اور سائنس، ادارہ تزئین دانش کراچی، اگست ۱۹۹۸
خورشید اقبال، اردو میں سائنس فکشن کی روایت، بک ٹاک لاہور، ۲۰۱۸
ڈاکٹر سر یو پرشاد گپتا، سائنس اور سماج، مترجم سید عدیل حسن، کاظم علی خاں، بک ہوم لاہور، ۲۰۰۴
ڈاکٹر صغیر افراہیم، اردو فکشن تنقید اور تجزیہ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۲۰۰۳
ڈاکٹر عطش درانی، اکیسویں صدی کی اردو نئے تقاضے، قومی ادارہ برائے ترقی قومی زبان اردو، ۲۰۰۲
ڈاکٹر نعیم انیس، اکیسویں صدی میں اردو ناول، دی مسلم انسٹیٹیوٹ، کوئٹہ، ۲۰۱۶
لن پولن، علی ناصر زیدی، سائنس کے نئے افق، مقبول اکیڈمی لاہور، ۱۹۷۳
حدیث، مسند براجم، مولانا محمد ظفر اقبال، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور، جلد سوئم، ۲۰۲۰
مصطفی محمد طحان، ترجمہ ڈاکٹر محمد سمیع اختر، گلوبلائزیشن دنیا کی تشکیل نو، بلال پبلیکیشنز دہلی، ۲۰۰۲
وزیر آغا، کلچر کے خدوخال، مجلس ترقی ادب لاہور، ۲۰۰۹

سندی تحقیقی مقالہ

تحقیقی مقالہ، اردو میں سائنس فکشن: ایک مطالعہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

English Books

Adam Roberts, science fiction, Routledge publishers London, 2000

Carl Freedman, Critical theory and science fiction, Wesleyan University Press, Middletown, 2000

Deborah G. Johnson, James M. Wetmore, Technology and Society: Building our sociotechnical future, MIT Publications America, 2008

Dond 'Ammassa, Encyclopedia of Science Fiction, Facts on File Incorporated, 2014

Dr. Mark Bould, Science fiction, Taylor and Francis publications England, 2005

Dr. Neeraj Khatri, Media in 21st century, Random Publications, New Delhi, India, 2014

Encyclopedia of Indian literature, vol 5, shitya academy, Dehli, 1992

Fredricks SC "lucians true history SF", Science Fiction Studies, vol3, No 1, 1976, 49, 60

Jennifer Walinga and charlesstagur, Introduction to Psychology
L. David Allen, Science fiction: An introduction (cliffs notes),
HMH book Lincoln, Nebraska, 1973

Neil Barron, Anatomy of wonder, R. R. Bowker Company, 245
West 17 Street, New York
Shawn Coyne, The story grid, First black Irish entertainment,
US, 2015

Susan Bassnett, Comparative literature, Blackwell Publishers
UK, 1993

اخبار و رسائل

ای اخبار، روزنامه پاکستان، ۱۰ دسمبر ۲۰۱۳

Lenoir Rhyne College, Journal of personality and social
psychology, vol.78, No.4

ویب گاہیں

<https://www.dictionary.cambridge.org>

<https://www.britannica.com/>

<https://www.sfdictionary.com/>

<https://www.oxfordlearnersdictionaries.com>

<https://ahdictionary.com>

<https://www.wikipedia.org>

<https://www.youtube.com/watch?v=lAVeTFin0mU>